کے دربار میں جاکر پڑھا، دربار میں کہرام پڑ گیا کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا، سلطان اس قدر رویا کہ بخار آگیا اور بالآخر اسی صدمہ میں انتقال کر گیا۔

امیر دلّی سے پٹیالی میں آئے اور گنگا کے کنارے قیام پذیر ہوئے ۶۸۶ھ میں سلطان غیاث الدین بلبن نے وفات پائی اور درباریوں نے اسکے خلاف وصیت اس کے پوتے کیقباد کو جو بغرا خاں کا بیٹا تھا تخت نشین کیا،

کیقباد نے امیر صاحب کو دربار میں طلب کیا لیکن چونکہ عنان سلطنت ملک نظام الدین کے ہاتھ میں تھی اور وہ امیر صاحب سے صاف نہ تھا، امیر صاحب نے تعلق پسند نہ کیا اور خان جہاں جو امرائے شاہی میں تھا اُسکی ملازمت اختیار کی،

خان جہاں اودھ کا صوبہ دار مقرر ہوا اور امیر صاحب کو ساتھ لیگیا چنانچہ خود قران السعدین میں فرماتے ہیں،

خان جہاں حاتم مفلس نواز	گفت بہ اقطاع اودھ سرفراز
من کہ بدم چاکر او پیش ازاں	کرد کرم آنچہ کہ بہ بیش ازاں
تار چناں بخشش خاطر فریب	بندہ شدہ لازمہ آں رکیب
در اودھ بردہ ز لطف چناں	کیست کہ از لطف بتابد عناں
در اودھ از بخشش او تا دو سال	ہیچ غم و نالہ نبود از منال

دو برس تک اودھ میں رہے، ان کی والدہ کو ان سے حد سے زیادہ محبت تھی وہ دلّی میں تھیں، اور ان کے خطوط آتے رہتے تھے کہ میں تم سے دور رہ کر زندہ نہیں رہ سکتی، امیر صاحب کو بھی ماں سے بے انتہا محبت تھی، چنانچہ سب تعلقات چھوڑ کر دلّی میں آئے ماں نے گلے سے لگایا اور آنکھوں سے محبت کے دریا بہائے۔

مادرم آن خستۂ بیمار من	چوں نظر افگند بدیدار من

پردہ بر روے شفقت برگرفت | اشک فشاناں بہ برم درگرفت

کیقباد جب تخت سلطنت پر بیٹھا تو عیاشی اور رندی شروع کی، اس کا باپ بغرا خاں بنگال میں تھا، یہ حالت سُنکر بنگال سے روانہ ہوا، کیقباد نے ناخلفی سے باپ کا مقابلہ کرنا چاہا چنانچہ ایک عظیم الشان فوج تیار کرکے دلّی سے روانہ ہوا، راہ میں نامہ و پیغام ہوتے رہے، آخر صلح پر خاتمہ ہوا اور کیقباد دلّی کو واپس گیا،

امیر صاحب نے باپ بیٹے کے اتحاد اور مصالحت پر ایک قصیدہ لکھا، جس کے چند شعر یہ ہیں،

زہے ملک خوش چوں دو سلطاں یکے شد | زہے عہد خوش چوں دو پیماں یکے شد
پسر بادشاہے، پدر نیز سلطاں، | کنوں ملک بیں چوں دو سلطاں یکے شد
ز مہر جہانداری و بادشاہی، | جہاں را دو شاہ جہاناں یکے شد
یکے ناصر عہد محمود سلطاں | کہ فرمانش در چار ارکاں یکے شد
دگر شہ معز جہاں کیقبادے | کہ در ضبطش ایران و توراں یکے شد

کیقباد چاہتا تھا کہ یہ واقعات نظم کے پیرایہ میں آئیں، امیر صاحب کو بلاکر یہ خواہش ظاہر کی[1] چنانچہ امیر صاحب نے چھ مہینے کی مدت میں قران السعدین لکھی، جس میں باپ بیٹے کے مراسلات اور ملاقات کا حال تفصیل سے لکھا ہے، اس وقت امیر صاحب کی عمر ۳۶ برس کی تھی اور سنہ ہجری ۶۸۸ تھا چنانچہ خود فرماتے ہیں،

ساختہ گشت از روش خامہ | از پس شش ماہ چنیں نامہ
در رمضان شد بہ سعادت تمام | یافت قراں نامۂ سعدین تام
آنچہ بتاریخ ز ہجرت گزشت | بود سن شش صد و ہشتاد و ہشت
سال من امروز اگر بر رسی | راست بگویم ہمہ شش بود و سی

[1] بدایونی ۱۲

کیقباد عیاشی میں بیمار ہو کر تین برس حکومت کے بعد ۶۸۹ھ میں مر گیا یا مار گیا، اس کے بعد اس کا خرد سال بیٹا **شمس الدین کیکاؤس** تخت نشین ہوا، وہ بالکل بچہ تھا، تین مہینے کے بعد امرائے دربار نے تخت سے اتار کر قید کر دیا اب خاندان میں کوئی شخص دعویدار سلطنت نہیں رہا تھا اس لیے ترکی امرائے دربار میں سے **ملک فیروز شایستہ خاں خلجی** جس کی عمر ۷۰ برس کی تھی، اور جسنے دربار میں بڑا اثر حاصل کیا تھا، تخت سلطنت پر بیٹھا، اور سلطان جلال الدین خلجی کے نام سے مشہور ہوا، وہ بڑی عظمت واقتدار وجاہ وجلال کا بادشاہ تھا اس کے ساتھ نہایت صاحب مذاق، رنگین طبع، خوش صحبت تھا۔ شعر بھی کہتا تھا، چنانچہ بدایونی نے اس کے دو شعر بھی نقل کیے ہیں،

آں زلف پریشانت ژولیدہ نمی خواہم وال روئے چو گلنارت تفسیدہ نمی خواہم
بے بہر منت خواہم یک شب بکنار آئی ہاں بانگ بلند ستایں پوشیدہ نمی خواہم

احباب اور شریک صحبت بھی جس قدر تھے سب قابل، اہل فن، موزوں طبع اور رنگیں مزاج تھے، مثلاً ملک تاج الدین کرجی، ملک فخر الدین، ملک اعز الدین ملک قرابیگ، ملک نصرت، ملک حبیب، ملک کمال الدین، ابو المعالی، ملک نصیر الدین کرانی، ملک سعد الدین، انیس اور ہم صحبت تھے،

اسی طرح اکثر بڑے بڑے اہل کمال ندیمی کے لیے انتخاب کیے تھے، چنانچہ تاج الدین عراقی، خواجہ حسن دہلوی، موید جاجرمی، موید دیوانہ، امیر ارسلان، اختیار الدین باقی، ندمائے خاص میں سے تھے، ساقی، مغنی اور مطرب بھی وہ لوگ تھے جو زمانہ میں انتخاب تھے، مثلاً امیر خاصہ، حمید راجہ، نظام، محمد شاہ، نصیر خاں، بہروز،[1]

ایسے گوناگوں صاحب مذاق بادشاہ کے لئے ...... امیر احسن سے

---

[1] فرشتہ ۱۲

زیادہ کون موزوں ہو سکتا تھا وہ عالم بھی تھے، فاضل بھی، مغنی بھی، مطرب بھی، اور شاعر تو تھے ہی، معزالدین کیقباد کے زمانہ میں جب سلطان جلال الدین عارض تھا، اُسی وقت اس نے امیر صاحب کو قدردانی کی نگاہ سے دیکھا تھا، چنانچہ معقول مشاہرہ مقرر کر کے خاص اپنا لباس عنایت کیا تھا، تخت پر بیٹھا تو امیر صاحب کو ندیم خاص بنایا اور مصحف[۱] داری اور عمارت کا عہدہ دیا، اس کے ساتھ جامہ اور کمربند جو امرائے کبار کا مخصوص لباس تھا ان کے لیے مقرر کیا، امیر صاحب امیر کے خطاب سے پکارے جاتے ہیں، اسکی وجہ یہی ہے،

امیر صاحب نے جلال الدین خلجی کے تمام فتوحات نظم کیے، اور تاج الفتوح نام رکھا، اس کی تفصیلی کیفیت آگے آئیگی، جلال الدین خلجی کو اسکے بھتیجے سلطان علاءالدین خلجی نے ۶۹۴ھ میں دھوکے سے قتل کر دیا، اور خود تخت نشین ہوا، سلطان علاءالدین نے اگرچہ دغا اور بے رحمی سے تخت سلطنت حاصل کیا تھا اور اگرچہ پخت دلی اور سفاکی اسکی طینت کا جوہر تھا، تاہم بہت بڑے عزم استقلال شوکت و شان کا فرمانروا گزرا ہے، تعجب انگیز فتوحات اور انتظامی کارناموں کو چھوڑ کر علمی فیاضیاں بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں، اس کا دربار فقراء، علماء، فضلاء، شعراء سے ہر وقت معمور رہتا تھا۔ ان میں بعض کے نام حسب ذیل ہیں[۲]،

قاضی فخرالدین ناقلہ، قاضی فخرالدین کرمانی، مولانا نصیرالدین، غنی، مولانا تاج الدین مقدم، قاضی ضیاءالدین، قاضی ظہیرالدین لنگ، مولانا ظہیرالدین بھکری، قاضی زین الدین ناقلہ، مولانا شرکتی، مولانا نصیرالدین رازی، مولانا علاءالدین صدر شریف، مولانا میراں بابک کلہ، مولانا نجیب الدین سیاتوی،

---

[۱] جس کو قرآن مجید رکھنے کی خدمت سپرد ہوتی تھی اُس کو مصحف دار کہتے تھے ۱۲

[۲] یہ فہرست بدایونی سے ماخوذ ہے ۱۲

مولانا شمس الدین، مولانا صدر الدین، مولانا علاء الدین لاہوری، قاضی
شمس الدین کازرونی، مولانا شمس الدین بخشی، مولانا شمس الدین، مولانا صدر الدین
بادہ، مولانا معین الدین لولوی، مولانا افتخار الدین رازی، مولانا مجیب الدین
اندرپتی، مولانا نجم الدین، مولانا حمید الدین بلوری، مولانا علاء الدین کرک، مولانا
حسام الدین سادہ، محی الدین کاشانی، مولانا کمال الدین کولوی، مولانا وجیہ الدین
کابلی، مولانا منہاج الدین، مولانا نظام الدین کلاتی، مولانا نصیر الدین کرہی،
مولانا نصیر الدین بوبی، مولانا علاء الدین تاجر، مولانا کریم الدین جوہری، مولانا محب
ملتانی، مولانا حمید الدین، مولانا برہان الدین بھکری، مولانا افتخار الدین، مولانا
حمید الدین ملتانی، مولانا گل محمد شیرازی، مولانا حسام الدین سرخ، مولانا
شہاب الدین ملتانی، مولانا فخر الدین نسوی، مولانا فخر الدین شتقاقلی، مولانا علیم الدین،
قراء: مولانا شاطبی، مولانا علاء الدین سقری، خواجہ زکی،
واعظین، مولانا حسام الدین درویش، مولانا شہاب الدین، مولانا کریم،
شعراء: خواجہ حسن دہلوی، صدر الدین عالی، فخر الدین قواس، حمید الدین راجہ، مولانا
عارف عبد الحکیم، شہاب الدین، لیکن امیر صاحب کے آفتاب کمال نے ان ستاروں کو بے نور کر دیا تھا،

چنانچہ اس وسیع مرقع میں صرف امیر صاحب کی تصویر نمایاں نظر آتی ہے،
ان کے بعد اگر کسی کے خط و خال پہچانے جاتے ہیں تو وہ خواجہ حسن ہیں
کہ وہ بھی امیر صاحب ہی کا فیض ہے علاء الدین نے امیر صاحب کا ایک ہزار
سالانہ تنکہ[1] مقرر کیا تھا، امیر صاحب نے سلطان علاء الدین کی تمام فتوحات کو نہایت
تفصیل سے لکھا، جسکا نام خزائن الفتوح ہے، تفصیل اس کی آگے آئے گی،
۶۹۸ھ میں امیر صاحب کی والدہ اور انکے بھائی حسام الدین نے انتقال کیا،

---

[1] تاریخ فرشتہ، غالباً یہ طلائی سکہ ہوگا،

چنانچہ لیلیٰ مجنوں میں اس واقعہ کو نہایت پُر درد مرثیہ کی صورت میں لکھا ہے،

نظامی کی پنج گنج کا جواب اسی زمانہ میں لکھا، چنانچہ ہر کتاب سلطان علاء الدین کے نام سے معنون ہے۔ سب سے آخری مثنوی ہشت بہشت ہے جو سنہ ۷۰۱ھ میں تمام ہوئی،

اسی زمانہ میں امیر صاحب نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا (محبوب الٰہی) کے ہاتھ پر بیعت کی چنانچہ تفصیل آگے آئیگی، سلطان علاء الدین نے ۲۱ برس کی حکومت کے بعد سنہ ۷۱۶ھ میں وفات پائی، اس کے بعد اس کا بیٹا شہاب الدین (مدت حکومت تین ۳ ماہ) اور اسکے بعد سنہ ۷۱۶ھ میں قطب الدین مبارک بن علاء الدین خلجی بادشاہ ہوا، وہ اگرچہ نہایت عیاش، بے مغز، اور سبک سر تھا لیکن امیر صاحب کی قدر دانی سب سے بڑھ کر کی، چنانچہ امیر صاحب نے جب سنہ ۷۱۸ھ میں اس کے نام پر مثنوی نہ سپہر لکھی تو ہاتی برابر تول کر روپے دیئے، خود امیر صاحب قطب الدین کی زبان سے لکھتے ہیں،

بتاریخ ہمچوں من اسکندرے ۔۔۔ کند ہر کہ آرائش دفترے
ز گنج گراں مایہ بے شمار ۔۔۔ دہم بارہ بخشش نہ آں پیلبار
مرا خود درین رہ پدر شد دلیل ۔۔۔ کہ می داد زر ہم ترازوئے پیل
شناسد کسے کش خرد رہنموں ۔۔۔ کہ از پیلبار است وزنش فزوں

چو میراث شد پیل زر دادنم ۔۔۔ نہ زیبا است زیں سہل تر دادنم
شہا گنج بخشا کرم گسترا ۔۔۔ معانی شناسا سخن داورا
چنیں بخششے کز تو ہم یافتم ۔۔۔ در ایام پیشینہ کم یافتم
کنوں لابد از سحر سنج چو من ۔۔۔ باندازہ بخشش آید سخن

قطب الدین خلجی نے ایک ہندو نومسلم غلام کو خسرو خان کا خطاب دیکر قلمدان وزارت عطا کیا تھا، اس نے سنہ ۷۲۱ھ میں قطب الدین کو قتل کر کے

خود تخت حکومت پر جلوس کیا، چونکہ اس نے دربار میں تمام ہندو بھر دیے اور خاندان شاہی پر طرح طرح کے ظلم کئے، امراء نے بغاوت کی، چنانچہ چار مہینے کی حکومت کے بعد ۷۲۰ھ میں غازی ملک کے ہاتھ سے قتل ہوا، اب خلجی حکومت کا خاتمہ ہوگیا، اور امرائے دربار میں سے غازی ملک نے جس کا باپ سلطان غیاث الدین بلبن کا ترکی غلام اور ماں اس کی ہندنی تھی دربار میں پکار کر کہا کہ مجکو تخت سلطنت کی آرزو نہیں خاندان شاہی سے کسیکو تخت نشین کیا جائے، لیکن چونکہ خلجی خاندان میں سے کوئی شخص باقی نہیں رہا تھا اور ملک غازی کی خدمات کا تمام دربار معترف تھا، اس لئے سب نے باتفاق اسی کو بادشاہ بنایا، وہ سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے مشہور ہوا اس نے نہایت عدل و انصاف سے حکومت کی اور نئی نئی فتوحات حاصل کیں تغلق آباد کا مشہور قلعہ اسی کی یادگار ہے امیر صاحب کی اس نے نہایت قدر دانی کی اور اُن کو دولت اور مال سے نہال کر دیا، امیر صاحب نے بھی اسکے احسانات کا حق ادا کیا چنانچہ اسکے نام پر تغلق نامہ لکھا، جو تغلق کے عہد حکومت کی مفصل تاریخ ہے تغلق نے جب بنگال کا سفر کیا تو امیر صاحب ساتھ گئے، تغلق واپس آیا لیکن امیر صاحب وہیں رہ گئے۔ اسی اثنا میں خبر مشہور ہوئی کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا نے انتقال کیا، امیر صاحب یلغار کرتے ہوئے دلّی میں آئے اور جو کچھ زر و مال پاس تھا، خواجہ صاحب کے نام پر نثار کر دیا، ماتمی سیاہ کپڑے پہن کر خواجہ صاحب کی قبر پر مجاور ہو بیٹھے، چھ مہینے کے بعد ذیقعد ۷۲۵ھ میں انتقال کیا، خواجہ صاحب نے وصیت کی تھی کہ خسرو کو میرے پہلو میں دفن کرنا، لوگوں نے اس وصیت کی تعمیل کرنی چاہی، لیکن ایک خواجہ سرا نے جو وزارت کا منصب رکھتا تھا کہا کہ لوگوں کو دونوں قبروں کی تمیز

کرنے میں دھوکا ہوگا، غرض خواجہ صاحب کے پائنتی دفن کیا، اور اس سے بڑھکر ان کی کیا خوش قسمتی ہوسکتی تھی، ان کا مقبرہ مہدی خواجہ نے جو سلطان بابر کے امرا میں سے تھا تعمیر کرایا اور ملا شہاب معمائی نے تاریخ لکھ کر لوح پر کندہ کرائی

شد عدیم المثل یک تاریخ او　　　دان دگر شد طوطی شکر مقال

امیر صاحب کو خدا نے فرزندان معنوی کے علاوہ اولاد ظاہری بھی عنایت کی تھی، ان کے ایک صاحبزادے کا نام ملک احمد ہے، وہ شاعر تھے اور سلطان فیروز شاہ کے دربار میں ندیم تھے، ان کی شاعری نے چنداں فروغ حاصل نہیں کیا لیکن شعر اور شاعری کے دقائق سے خوب واقف تھے، اشعار کے عیب و ہنر کو خوب پرکھتے تھے، اور نہایت نازک اور دقیق نکتے پیدا کرتے تھے. چنانچہ اکثر اساتذہ کے اشعار پر جو حرف گیریاں کیں عموماً اہل فن اسکو تسلیم کرتے تھے ظہیر کا شعر ہے

کلاہ گوشہ حکم تو از طریق نفاد　　　ربودہ از سر گردوں کلاہ جباری

ملک موصوف نے ربودہ کو فگندہ سے بدل دیا جس سے مصرع کی ترکیب چست ہو گئی، بخیل کی ہجو میں مشہور شعر ہے،

ایں سہل بود کہ گو گرد سرخ خواست　　　گر نان خواجہ خواستی آں ہیچ کردمے

ملک صاحب نے یوں اصلاح دی،

ایں سہل بود کہ آب حیات خواست　　　گر نان خواجہ خواستی آں راچہ کردمے

نان کے ساتھ آب حیات کے مقابلہ نے لطف پیدا کر دیا،

ایک اور شعر تھا،

گر مشک خواند خاک درت را فلک مرنج　　　نرخ گہر بطعن خریدار شکند،

ملک موصوف نے پہلے مصرع کو یوں بدل دیا،

۱؎ خزانہ عامرہ ۲؎ فرشتہ حالات خسرو ۱۲

در تماشائی روزنت ہوس است ۔۔۔ روزنت چشمِ سوزنِ تو بس است

امیر صاحب کو اپنی والدہ سے بے انتہا محبت تھی، بڑی عمر کو بھی پہنچکر وہ اس جوشِ محبت سے ماں سے ملتے تھے جس طرح چھوٹے بچے ماں سے لپٹ جاتے ہیں، اودھ کی معقول ملازمت صرف اس بنا پر چھوڑ دی، کہ ماں دلی میں تھیں اور ان کو یاد کیا کرتی تھیں، اودھ سے جب دلی میں آئے ہیں تو ماں سے ملنے کا حال اس جوش سے لکھا ہے کہ لفظ لفظ سے محبت کی شراب ٹپکتی ہے۔

ایک موقع پر جب ماں سے ملے ہیں اور ماں نے سینے سے لگایا ہے تو ایک شعر بے اختیار زبان نکلا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ ماں کا سینہ بہشت ہے چنانچہ دو نہریں دودھ کی اس میں جاری ہیں۔ سنہ ۶۹۸ھ میں انہوں نے انتقال کیا، اسی سال ان کے چھوٹے بھائی حسام الدین نے بھی انتقال کیا، لیلی مجنوں میں دونوں کا مرثیہ ایک ساتھ لکھا ہے۔

امسال دو نور ز اخترم رفت ۔۔۔ ہم مادر و ہم برادرم رفت
یک ہفتہ ز بخت خفتۂ من ۔۔۔ گم شد دو مہ دو ہفتۂ من
نجست از دو شکنجہ واپسیچم ۔۔۔ چرخ از دو طپانچہ کرد ہیچم
ماتم دو شد و غم دو افتاد ۔۔۔ فریاد کہ ماتمم دو افتاد
حیف است دو داغ چون منی را ۔۔۔ یک شعلہ بس است خرمنی را
یک سینہ دو بار بر نگیرد ۔۔۔ یک سر دو خمار بر نگیرد
چون مادر من بزیر خاک است ۔۔۔ گر خاک بسر کنم چہ باک است
ای مادر من کجائی آخر ۔۔۔ روی از چہ نمی نمائی آخر
خندان ز دل زمین بر آئی ۔۔۔ بر گریہ زار من ببخشائی
ہر جا کہ ز پای تو غبار است ۔۔۔ ما را ز بہشت یادگار است
ذات تو کہ حفظ جان من بود ۔۔۔ پشت من و پشت بان من بود

روزے کہ لبِ تو در سخن بود — پندِ تو صلاحِ کارِ من بود
امروز ز تو بہ حسرتے چوں پند — خاموشیٔ تو ہمی دہد پند

تریالیس(۴۳) برس کی عمر میں ماں کو اس طرح یاد کرتے ہیں جس طرح کمسن بچہ ماں کیلئے بلکتا ہے، اس سے آگے بھائی کے مرثیہ کے شعر ہیں وہ بھی خونِ جگر سے رنگین ہیں۔

امیر صاحب اگرچہ خاندان کے اثر سے شاہی دربار سے تعلق رکھتے تھے اور اسی قسم کی زندگی بسر کرتے تھے جو عام دنیاداروں کا طریقہ ہے، لیکن یہ امر اُن کی اصل فطرت کے خلاف تھا، درباروداری، خوشامد اور شخص پرستی سے اُن کو طبعی نفرت تھی اور موقع بموقع یہ خیالات بے اختیار اُن کی زبان سے نکل جاتے تھے، لیلیٰ مجنون سنہ ۶۹۸ھ میں لکھی تھی جب ان کو سلطان علاء الدین خلجی جیسے جبار بادشاہ سے تعلق تھا، تاہم خاتمہ میں لکھتے ہیں،

شب تا سحر و ز صبح تا شام — در گوشۂ غم نگیرم آرام
باشم ز برائے نفسِ خود رائے — پیشِ چو خودے ستادہ بر پائے

اس پر مزید یہ ہوا کہ ان کے والد نے ان کو آٹھ برس کی عمر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے قدموں پر ڈال دیا تھا اور برکت کے لئے بیعت کرا دی تھی حضرت خواجہ کی روحانی تاثیر چپکے چپکے اپنا کام کرتی جاتی تھی، امیر صاحب کی طبیعت میں عشق و محبت کا مادہ بھی ازلی تھا، وہ سراپا عشق تھے اور یہ بجلی اُن کی رگ رگ میں کوندتی پھرتی تھی۔ آخر یہ نوبت پہنچی کہ سنہ [illegible]ھ میں جیسا کہ خود افضل الفوائد میں لکھا ہے خواجہ صاحب کے ہاتھ پہ دوبارہ بیعت کی، خواجہ صاحب نے چار گوشہ کی ٹوپی جو اس سلسلہ کی نشانی تھی، عنایت کی اور مریدانِ خاص میں داخل کیا۔ قدرت اللہ قدرت نے طبقات الشعرا میں لکھا ہے کہ امیر صاحب نے جب خواجہ صاحب سے بیعت کی تو جو کچھ نقد اور اسباب تھا سب لٹا دیا اور پابداماں ہو کے بیٹھ گئے۔

ملازم ہوئے، چنانچہ جب ملتان میں خان شہید کو تاتاریوں نے ہلاک کیا تو امیر صاحب کے ساتھ حسن بھی اُس موقع پر موجود تھے دونوں کے تعلقات کا چرچہ زیادہ پھیلا تو لوگوں نے خان شہید سے شکایت کی امیر صاحب نے اُس موقع پر یہ غزل لکھی

زیں دل خود کام کارِ من برسوائی کشید خسرو افرمان دل بردن ہمیں بار آورد

خان شہید نے بدنامی کے خیال سے حسن کو امیر صاحب کے ملنے سے منع کر دیا، لیکن کچھ اثر نہوا۔ خان شہید نے غصّہ میں آکر حسن کے ہات پر کوڑے لگوائے حسن سیدھے امیر صاحب کے پاس گئے، خان شہید کو اسیوقت پرچہ لگا۔ نہایت متحیر ہوا اور امیر صاحب کو بلوا بھیجا، آئے تو کہا کہ کیا حالت ہے؟ امیر نے آستین سے ہاتھ نکال کر دکھایا اور کہا، ع

گواہ عاشقِ صادق در آستین باشد

دیکھا تو جہاں حسن کے کوڑے لگے تھے وہیں امیر صاحب کے ہاتھ پر بھی کوڑے کے نشان تھے۔ ۱؎

چونکہ حسن کا تذکرہ ہم الگ نہیں لکھتے، اور صنف غزل پر انکا خاص احسان ہے، اسلئے ان کے شیدائی، امیر صاحب ہی کے تذکرہ میں اُنکے اشعار نقل کرتے ہیں

خلق گویند بدل از صبر بجا آور بازء ایدل از صبر نشانے دہ اگر جائے ہست

ایکہ نظارہ دیوانہ نگردی ہرگز قدمے رنجہ کن این جو کہ سودائے ہست

ہر چوں تو کسے دگر گزیدن کارے دگر ست، اکار من نیست

گفتی کہ چہ سر اجدائی از من ایں از فلک است، از حسن نیست

روزے کہ لب تو در سخن بود پند تو صلاح کار من بود

باز این دلم بسوی دلارام می رود — از دام جستہ، باز سوی دام می رود
ایام در نیاید ما را بہ دوستی — وان شوخ ہم بہ سیرت ایام می رود
اے خواجہ! در محلہ تقوی قیام گیر — در کوی عاشقی نتواں نیک نام شد
عقلم کہ زین بر ابلق ایام مے نہاد — آخر نماند با تہ عشق تو رام شد

طرفہ سروکارے ست کہ با وعدہ عشوق — صابر نتواں بود و تقاضا نتواں کرد

از حسن این چہ سوال ست کہ معشوق تو کیست — این سخن را چہ جواب است، تو ہم می دانی

دو سہ بار، با تو گفتم کہ مرا بہ ہیچ بستاں — نہ شد اتفاق، شاید کہ بہ این بہا گرانم

تلخ کردم جہانیاں را خواب — زاں دعا ہا کہ مستجاب نبود
ہے حسن یار گر خطائے کرد — ہم شکایت از و صواب نبود

بہ تقوی نام نیکو بردہ بودم — نکو رویاں مرا بدنام کردند

گفتی کہ چرا حال دل خویش نگوئی — من خود کنم آغاز بہ پایاں کہ رساند

ان اشعار سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جو سوز و گداز اور جذبہ و اثر ان کے کلام میں موجود ہے۔ ان کے کشتہ محبت (امیر صاحب) میں بھی نہیں۔

جامعیت اور کمالات

ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع

سنسکرت کے ماہر ہیں، چنانچہ مثنوی نہ سپہر میں تواضع سے کچھ میں اس کا ذکر کیا ہے ع

من قدرے ز ہندسی دانم

شاعری کے بعد نثاری کا نمبر ہے، اس وقت تک کسی نے نثر لکھنے کے اصول اور قاعدے نہیں مرتب کئے تھے، انہوں نے ایک مستقل کتاب اعجاز خسروی، تین جلدوں میں لکھی، اور اگرچہ افسوس ہے کہ زیادہ تر زور صنائع و بدائع پر بیکار گیا، لیکن ان کی طباعی اور ذہانت سے کون انکار کر سکتا ہے

موسیقی میں یہ کمال پیدا کیا کہ نایک کا خطاب، ان کے بعد آج تک پھر کوئی شخص حاصل نہ کر سکا، چنانچہ اس کی تفصیل مستقل عنوان میں آئی ہے،

ان مختلف الحیثیات مشغلوں کے ساتھ فقر و تصوف کا یہ رنگ ہے، کہ گویا عالم قدس کے سوا دنیائے فانی کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھا، چنانچہ اس کا ذکر بھی الگ عنوان میں آئے گا،

ان سب باتوں کے ساتھ جب اس پر نظر کی جاتی ہے کہ ان کو ان کاموں میں مشغول ہونے کے لئے وقت کس قدر ملتا تھا، تو سخت حیرت ہوتی ہے۔ وہ ابتدا سے ملازم پیشہ تھے اور درباروں میں تمام تمام دن حاضری دینی پڑتی تھی۔ کام جو سپرد تھا، وہ شاعری نہ تھی، بلکہ اور اور اشغال تھے، لیلیٰ مجنوں کے خاتمہ میں لکھتے ہیں

سالیں من کہ شد ملازم ہوش — از بہر شکم چو دیگ پر جوش
شب تا سحر و ز صبح تا شام — در گوشۂ غم نہ بستم آرام
با شہ ز برائے نفس خود رائی — پیشش چو خودی ستادہ بر پائے[۱]
تا خون نہ رود ز پائے تا سر — دستم نہ شود ز آب کس تر

جب تک پاؤں کا پسینہ سر تک نہیں پہنچتا، کھانا کھانے کو نہیں ملتا

ان حالات کے ساتھ اگر صانع قدرت ان کے پیدا کرنے پر ناز کرے تو چنداں

۱ یعنی نفس پروری کی وجہ سے اپنے ہی جیسے کے آگے صبح سے شام تک مودب کھڑا رہتا ہوں۔

موسیقی

امیر صاحب کی ہمہ گیر طبیعت نے اس نازک اور لطیف فن پر بھی توجہ کی، اور اس درجہ تک پہنچایا کہ چھ سو برس کی وسیع مدت نے بھی ان کا جواب پیدا نہ کیا، ان کے زمانہ کا مشہور جگت استاد جو تمام ہندوستان کا استاد تھا، نایک گوپال تھا، اسکے بارہ سو شاگرد تھے جو اسکے سنگہاسن یعنی تخت کو کہاروں کی طرح کاندھے پر لیکر چلتے تھے، سلطان علاء الدین خلجی نے اس کے کمال کا شہرہ سنا تو دربار میں بلایا، امیر صاحب نے عرض کی کہ میں تخت کے نیچے چھپ کر بیٹھتا ہوں، نایک گوپال سے گانے کی فرمائش کیجائے، نایک نے چھ مختلف جلسوں میں اپنا کمال دکھایا، ساتویں دفعہ امیر صاحب بھی اپنے شاگردوں کو لیکر دربار میں آئے، گوپال بھی ان کا شہرہ سن چکا تھا، ان سے گانیکی فرمائش کی، امیر صاحب نے کہا میں مغل ہوں، ہندوستانی گانا کچھ یوں ہی سا جانتا ہوں، پہلے آپ کچھ سنائیں تو میں بھی کچھ عرض کرونگا۔

گوپال نے گانا شروع کیا۔ امیر صاحب نے کہا یہ راگ تو مدت ہوئی میں باندھ چکا ہوں پھر خود اسکو ادا کیا، گوپال نے دوسرا راگ شروع کیا۔ امیر صاحب نے اسکو بھی ادا کرکے بتایا کہ تو پہلے میں اسکو ادا کر چکا ہوں، الغرض گوپال جو راگ راگنی ادا کرتا تھا، امیر صاحب اسکو اپنا ایجاد ثابت کر جاتے تھے، بالآخر کہا کہ یہ تو عام بازاری راگ تھے، اب میں اپنے خاص ایجادات سناتا ہوں، پھر جو گانا شروع کیا تو گوپال مبہوت ہو کر رہ گیا۔

عالمگیری عہد میں فقیر اللہ جس کا لقب سیف خاں تھا ایک مشہور امیر تھا، ناصر علی نے اسی کی شان میں کہا ہے

گفتگو ہا طوطی از آئینہ میخیزد علی — گر نباشد سیف خاں ناصر الفس و کافر است

وہ موسیقی کا بڑا ماہر تھا، فن موسیقی کی ایک مستند کتاب ناک دول تھی، فقیر اللہ نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا اور بہت سے فوائد اضافہ کئے اور اسکا نام راگ درپن رکھا، چنانچہ مآثر الامراء جلد دوم صفحہ ۸۳۴ سطر ۹ میں بہ تفصیل مذکور ہے، اس کتاب کا ایک قدیم نسخہ میرے پاس ہے اور ایک ندوہ کے کتب خانہ میں ہے، نایک گوپال کا واقعہ اور نیز امیر خسرو کی ایجادات میں نے اسی کتاب سے لئے ہیں۔

امیر صاحب چونکہ ہندی کے ساتھ فارسی راگوں سے بھی واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے دونوں موسیقی کو ترکیب دیکر ایک نیا علم پیدا کر دیا۔ چنانچہ اُن کے ایجاد کردہ راگ حسب ذیل ہیں سلہ

نام راگ ہائے مخترع امیر خسرو	کن راگوں سے مرکب ہے

مجیر۔ غار اور ایک فارسی راگ سے مرکب ہے،

سازگری، پوربی، گورا، گنکلی اور ایک فارسی راگ۔ قرآن السعدین میں اس کا ذکر کیا ہے چنانچہ کہتے ہیں۔

زمزمۂ سازگری در عراق، کرده به گلبانگ عراق اتفاق،

ایمن، ہنڈول اور نیریز،

عشاق، سارنگ اور بسنت اور نوا،

موافق، توڑی، مالوی، دوگاہ حسینی

غنم، پوربی میں ذرا تغیر کر دیا ہے۔

نام راگ ہائے مخترع امیر خسرو	کن راگوں سے مرکب ہے

زیلف۔ کھٹ راگ میں شہناز کو ملایا ہے،

فرغنہ۔ گنکلی اور گورا میں فرغانہ ملایا ہے،

سرپردہ۔ سارنگ، بلاول، اور راست کو ترکیب دیا ہے،

باخرز۔ دیسکار میں ایک فارسی راگ ملا دیا ہے،

فرودست (یا) پھر دوست۔ کانہڑا، گوری، پوربی، اور ایک فارسی راگ سے مرکب ہے

منم۔ کلیان میں ایک فارسی راگ شامل کیا ہے،

سلہ راگ درپن کے دو نسخے جو میرے استعمال میں ہیں دونوں غلط ہیں۔ اس لئے راگوں کے نام صحیح نہیں چھپے گئے اس لئے کہیں کہیں میں نے صرف صورت نویسی کر دی ہے،

راگ درپن میں لکھا ہے کہ ان راگوں میں سازگری، باخرز، عشاق اور موافق میں موسیقی کا کمال دکھایا ہے، باقی راگوں میں کچھ یوں ہی ادل بدل کرکے دوسرا نام رکھدیا ہے قول، ترانہ، خیال، نقش، نگار، بسیط، تلانہ، سوہلا، یہ سب بھی امیر صاحب کی ایجاد ہیں۔ ان میں سے بعض خاص اُن کی ایجاد ہیں، بعض کے نام ہندی میں پہلے موجود تھے امیر صاحب نے ان میں کچھ تصرف کرکے نام بدل دیا۔

تصانیف جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ امیر صاحب نے ۹۲ کتابیں تصنیف کیں یہ بھی مشہور ہے کہ امیر صاحب نے خود کسی کتاب میں تصریح کی ہے کہ بیت کے اشعار پانچ لاکھ سے کم اور چار لاکھ سے زیادہ ہیں۔

امیر صاحب کی کثرت تصنیف سے کسکو انکار ہوسکتا ہے؟ لیکن بیانات مذکورہ بالا مبالغہ سے خالی نہیں، چار پانچ لاکھ اشعار کی یہ کیفیت ہے کہ قدیم زمانہ میں سطر کو بیت کہتے تھے، اور یہ استعمال نہایت کثرت سے مروج ہے۔ اس بنا پر ان کی ہر قسم کی تصانیف کی ۴-۵ لاکھ سطریں ہوں تو چنداں تعجب نہیں، لوگوں نے بیت اور شعر کو مترادف سمجھ کر بیت کی جگہ شعر لکھدیا ہے ہندی کلام مدون نہیں ہوا، اس لئے مبالغہ کے لئے کافی موقع ہے، بہرحال جس قدر تصنیفات آج ملتی ہیں وہ بھی کم نہیں، اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

دیوان تحفۃ الصغر[۱] اس کے دیباچہ میں خود لکھتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا دیوان ہے جس میں ۱۶ برس کی عمر سے ۱۹ برس تک کا کلام ہے۔ **دیوان وسط الحیات**[۱] اسمیں ۲۴ برس کی عمر ۳۲ یا ۳۴ برس تک کا کلام ہے اس

[۱] امیر صاحب نے پانچوں دیوانوں کے دیباچہ میں تصنیف کے متعلق کچھ حالات بھی لکھے ہیں، تحفۃ الصغر و غرۃ الکمال کا دیباچہ اسوقت میرے پیش نظر ہے اور دیوانوں کے دیباچے بھی نظر سے گذرے ہیں لیکن اسوقت سامنے نہیں اسلئے ان کی نسبت میں جو کچھ لکھتا ہوں وہ ڈاکٹر ریو (آر۔ آئی۔ اے۔ سی۔ ای) کے اس ریویو سے ماخوذ ہے جو انہوں نے برٹش میوزیم کے کتبخانہ کی فہرست پر لکھے ہیں، ان اطلاعات کے متعلق میں مولوی عبدالقادر پروفیسر پٹنہ کالج کا ممنون ہوں

ہیں جو قصائد ہیں ، سلطان شہید کشلو خان وغیرہ کی مدح میں ہیں ۔

غرۃ الکمال - یہ دیوان اپنے بھائی علاء الدین علی خطاط کے اصرار سے مرتب کیا ۳۴ برس کی عمر یعنی سنہ ۶۸۵ھ سے تقریباً سنہ ۶۹۵ھ تک کا کلام ہے ۔ دیباچہ میں اپنی مختصر سی سوانح عمری لکھی ہے سلطان معز الدین کیقباد اور جلال الدین خلجی کے مدحیہ قصائد ہیں دو ہفتہ میں اسکی ترتیب دی اور دیباچہ لکھا ۔

بقیہ نقیہ - بڑھاپے کا کلام ہے ۔ تاریخ تالیف مذکور نہیں لیکن سلطان علاء الدین خلجی کا مرثیہ اس میں موجود ہے ۔ اس لئے کم از کم سنہ ۷۱۶ھ تک کا کلام ہے ۔

نہایۃ الکمال - پانچواں دیوان ہے ۔ اس میں غزلوں کے علاوہ قطب الدین مبارک خلجی المتوفی سنہ ۷۲۰ھ کا مرثیہ اور اس کے ولی عہد کی مدحیں ہیں ۔ ایک قصیدہ میں سنہ ۷۲۵ھ کا ایک واقعہ مذکور ہے اور اسی سن میں جناب امیر خسرو نے انتقال کیا ہے ۔

قران السعدین - سب سے پہلی مثنوی ہے سنہ ۶۸۸ھ میں جبکہ مصنف کی عمر ۳۶ برس کی تھی لکھی ۔ کیقباد اور بغرا خان کے مراسلات اور صلح و ملاقات کا حال ہے ۔

مطلع الانوار - مخزن الاسرار کا جواب ہے ۔ سلطان علاء الدین خلجی کے نام پر لکھی ۔ ۳۳۱۰ شعر ہیں ۔ دو ہفتہ میں تمام ہوئی ۔ سال اختتام سنہ ۶۹۸ھ ہے تصوف کے مضامین ہیں اور پنج گنج کے سلسلہ کی پہلی کتاب ہے ۔

شیریں خسرو - رجب سنہ ۶۹۸ھ میں تمام ہوئی ۴۱۲۴ شعر ہیں ۔

آئینہ اسکندری - سکندر نامہ کا جواب ہے ۔ سال اختتام سنہ ۶۹۹ھ ہے ۔ اشعار کی تعداد ۴۴۵۰ ۔

لیلیٰ مجنون - ۲۶۶۰ شعر ہیں سنہ ۶۹۸ھ میں ختم ہوئی ۔

ہشت بہشت - سلسلہ پنج گنج کی سب سے اخیر مثنوی ہے ہفت پیکر نظامی کا جواب ہے سنہ ۷۰۱ھ میں تمام ہوئی ۳۳۸۲ شعر ہیں پورا خمسہ سلطان علاء الدین خلجی کے نام پر ہے

کُل ۱۸ ہزار شعر ہیں ۔ خمسہ نظامی میں ۲۸ ہزار شعر ہیں ۔ پانچوں کتابیں دو برس کی مدت میں تمام ہوئیں۔

تاج الفتوح

سلطان جلال الدین فیروز شاہ کی تخت نشینی کے سال اول یعنی ۶۸۹ھ سے جمادی الآخر ۶۹۰ھ تک کے حالات ہیں ۔ اور اسی سنہ میں یہ مثنوی تمام بھی ہوئی ۔ مطلع یہ ہے ۔ سخن بر نام شاہے کردم آغاز۔

نہ سپہر

قطب الدین خلجی کے نام پر ہے ۔ نو باب ہیں ۔ اور ہر باب جداگانہ بحر میں ہے اس مناسبت سے نہ سپہر نام رکھا ہے ۔ اسوقت امیر خسرو کی عمر ۶۵ برس کی ہو چکی تھی ۷۱۸ھ میں تمام ہوئی۔

دول رانی و خضر خان

دول رانی ۔ گجرات کے راجہ کی لڑکی تھی ۔ خضر خان سلطان علاؤ الدین کا بیٹا تھا ۔ وہ دول رانی پر عاشق ہو گیا تھا ۔ اور اس سے شادی کی ۔ خضر خان نے خود یہ حالات بطور یادداشت لکھے تھے ۔ اس کی فرمائش سے امیر صاحب نے اس کو نظم کا لباس پہنایا اور عشقیہ نام رکھا چار مہینے میں تمام ہوئی ۔ ۴۲۰۰ شعر تھے خضر خان کے مرنے پر دول رانی کو جو واقعات پیش آئے ۔ ان کو لکھا تو ۳۱۹ شعر کا اضافہ ہوا ۷۱۵ھ میں تمام ہوئی۔

افضل الفوائد

خواجہ نظام الدین اولیا کے ملفوظات ہیں۔

اعجاز خسروی

نثر نویسی کے اصول اور قواعد منضبط کئے ہیں ۔ اور سینکڑوں صنعتیں

اختراع کی ہیں سنہ ۷۱۹ھ میں تمام ہوئی۔ تین جلدوں میں ہے،
تغلق نامہ۔ غیاث الدین تغلق کے حالات اور فتوحات ہیں،
خزائن الفتوح۔ سلطان علاؤ الدین کے فتوحات ہیں۔
مناقب ہند۔ **تاریخ دہلی**۔ ان کتابوں کا ذکر دولت شاہ نے کیا ہے۔
دولت شاہ نے لکہا ہے کہ ان تصنیفات کے علاوہ فن حساب، اور فن موسیقی میں بھی اُن کی تصنیفیں ہیں،

شاعری امیر صاحب اگرچہ ہندی نژاد تھے، لیکن ایرانی شعرا کو بھی اُن کی شاعری اور زباندانی کا اعتراف کرنا پڑا۔ جامی بہارستان میں لکھتے ہیں کہ خمسہ نظامی کا جواب خسرو سے بہتر کسی نے نہیں لکہا، طوطی ہند جو اُن کا خطاب تھا، ایرانی بھی اسی خطاب سے اُنکو یاد کرتے ہیں،

عرفی

بہ روح خسرو از ین پارسی شکر دادم	کہ کام طوطی ہندوستان شود شیرین
خواجہ حافظ شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند	زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ میرود

آوری نے جواہر الاسرار میں لکہا ہے کہ شیخ سعدی شیرازی خسرو سے ملنے کے لئے شیراز سے دہلی میں آئے، اگرچہ یہ روایت قرین قیاس نہیں، اور بعض تذکرہ نویسوں نے صراحۃً اس واقعہ سے انکار کیا ہے تاہم اس سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ آوری کے نزدیک خسرو اس پایہ کے شخص تھے کہ سعدی کا اُنکی ملاقات کے لئے سفر کرنا ممکن تھا، اور اس قدر تو تمام مورخوں اور تذکرہ نویسوں کو تسلیم ہے کہ جب سلطان شہید نے سعدی کو شیراز سے بلایا تو انہوں نے بڑھاپے کا عذر کیا اور لکھ بھیجا کہ خسرو جوہر قابل ہیں اُن کی تربیت کی جائے اُسوقت ان کی عمر تیس برس سے زائد نہ تھی،
تاہم بعض بعض ایرانی شعرا قومی تعصب کو چھپا نہیں سکے، علی سعد ایک شاعر

جو امیر صاحب کا مصرعہ کہنا ہے،

غلط افتاد خسرو راز خلست کہ سکبا نجست در دیگ نظامی

امیر صاحب کی شاعری قدرتی تھی، وہ ماں کے پیٹ سے شاعر پیدا ہوئے تھے
اُن کے باپ دادا شاعری سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھتے تھے۔ بلکہ قلم کے بجائے
تیغ سے کام لیتے تھے، تاہم امیر کے دودھ کے دانت بھی نہیں ٹوٹے تھے۔ کہ اُن
کی زبان سے بے اختیار شعر نکلتے تھے، دیباچہ غرۃ الکمال میں خود لکھتے
ہیں،

دران صغر سن کہ دندان مے افتاد سخن مے گفتم و گوہر از دہانم
میریخت،

دیوان تحفۃ الصغر کے دیباچہ میں لکھتے ہیں

چون مرا استادے سحر آمادہ بہ سمہ نیا مدہ بود کہ بر سمند قالق
دال شدے داہوئے مشکبار قلم را از سواد خطا باز آوردے،،

ایک مدت تک یوں ہی بطور خود کہتے رہے، اُستاد کے بجائے اساتذہ کے دیوان کو سامنے
رکھکر ان کا تتبع کرتے تھے جس دیوان کا مطالعہ کرتے تھے اسی انداز پر کہنا شروع
کرتے خاقانی کا کلام دیکھا تو بہت مغلق نظر آیا، اسکے الفاظ حل کئے لیکن خود تحفۃ الصغر
میں لکھتے ہیں کہ اسکا تتبع نہ ہو سکا، پہلا دیوان بالکل بے اصلاحی ہی امیر صاحب اسکو مرتب
کرنا بھی نہیں چاہتے تھے، لیکن بھائی کی خاطر سے مجبور ہوگئے،

لیکن بالآخر وہ اپنا کلام اساتذہ کو دکھلانے لگے ہشت بہشت کے خاتمہ
میں تصریح کی ہے۔ کہ یہ کتاب شہاب کی اصلاح یافتہ ہے اشہاب کی پہلے نہایت تعریف
کی ہے، پھر لکھتے ہیں،

من پدر و عقد کردہ نامۂ خویش او بہ اصلاح راند خامۂ خویش

دیدہ ہر نکتہ را قسم بہ قسم | رنج بر خود نہاد و منت ہم
نظرے تیز کرد و موے شگافت | نے بہ عمیا نظارہ بگذاشت
این دقائق کہ شد ز نغزش پوست | مو بمو شعر بیند کردۂ اوست
سیم من یافتند ضیا از وے | مس من گشتہ کیمیا از وے
ہر چہ او گفت من نہادم گوش | بر کشیدم مگس ز شربت نوش
وانچہ نمود و من نہ جستم پے | عیب آن بر من است نے بر وے
یارب او چون بہ رنج نامۂ من | بردہ بیرون خطائے خامۂ من
نامۂ او کہ حسن زجانش باد | ور خطا ہست خط امانش باد

اخیر کے شعروں سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچوں مثنویاں شہاب کی اصلاح دادہ ہیں، یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امیر صاحب نرے مقلد نہ تھے، جہاں انکو اصلاح کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی وہاں اُستاد کی رائے تسلیم نہیں کرتے تھے، گو ادب کا پاس اب بھی ملحوظ رہتا تھا

ع عیب آن بر من است نہ بر وے

کیا عجیب بات ہے وہ اُستاد جس کے دامن تربیت میں آپ جیسا شخص پل کر بڑا ہوا آج اُسکا نام و نشان تک معلوم نہیں،

معاصر اُستادوں کے علاوہ امیر صاحب نے قدیم اساتذہ سے بھی بہت فیض حاصل کیا ہے وہ اُنکے کلام کو سامنے رکھکر کہتے تھے، اور اُسی طرح اُس سے فائدہ اٹھاتے تھے جسطرح کوئی شاگرد زندہ اُستاد سے شاعری سیکھتا ہے اسی بنا پر لیلی مجنون میں نظامی کی نسبت لکھتے ہیں۔

زندہ است بمعنی اوستادم | ور نیست بشخص من چہ شادم

شیخ سعدی سے استفادہ کا اشارہ کرتے ہیں،

خسرو سرمست اندر ساغر معنی بریخت | شیرہ از خمخانۂ مستی کہ در شیراز بود،

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ امیر صاحب جوانی کے جوش میں اکثر اساتذہ کی شان میں گستاخی کرتے تھے چنانچہ جب مطلع الانوار لکھتے ہوئے یہ شعر کہا

کوکبۂ خسرویم شد بلند　　زلزلہ در گور نظامی فگند

تو غیب سے ایک تلوار نکلی اور خسرو کی طرف بڑھی خسرو نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کا نام لیا دفعتہ ایک ہاتھ نمودار ہوا اور اس نے آستین تلوار کے سامنے کر دی تلوار آستین کو کاٹتی ہوئی ایک بیری کے درخت پہ جا لگی واللہ اعلم

خسرو نے مطلع الانوار ۶۹۸ھ میں لکھی ہے اُس وقت ان کی عمر ۴۷ برس کی ہو چکی تھی یہ شباب کا زمانہ کہاں ہے شباب کے زمانہ میں انہوں نے غرۃ الکمال مرتب کیا ہے اُس کے دیباچہ میں صاف لکھتے ہیں کہ میں مثنوی میں نظامی کا پیرو اور شاگرد ہوں

اسی زمانہ میں قران السعدین لکھی اُس میں کہتے ہیں

نظم نظامی بلطافت چو دُر　　وز در او سر بسر آفاق پُر
پختہ ازو شد چو معانی تمام　　خام بود پختن سودائے خام
بگذر ازین خانہ کہ جائے تو نیست　　وین رہ باریک بپائے تو نیست
کالبدے داری و جان اندروست　　ہرچہ تو دانی بہ ازان اندروست
تا بود این سکہ بنامش درست　　بر تن تو کے بود این شقہ چست
شنو داو راست ثنائے بگوئے　　بشنوش از دور دعائے بگوی
این ہمہ نازش کہ نگہ زور نیست　　گر تو نہ بینی دگرے کور نیست

نظامی کی نسبت لیلی مجنون میں کہتے ہیں

زندہ است بحق اوستادم　　در شیوہ منش حیات دادم

غرض امیر صاحب نے کبھی اساتذہ کی استادی سے انکار نہیں کیا وہ تمام

اُستادون کا نہایت ادب کرتے تھے۔ مطلع الانوار مین جو کہدیا ہے وہ ایک اتفاقیہ فخریہ جوش تھا جس سے نظامی کی تحقیر منظور نہ تھی،

امیر صاحب کے حالات شاعری مین یہ سب سے عجیب تر واقعہ ہے کہ وہ اپنے کلام پر آپ ریویو کرتے ہین، اور ایسی بے لاگ رائے دیتے ہین کہ انکا دشمن سے دشمن بھی ایسی آزادانہ رائے نہین دے سکتا، قران السعدین مین اُنہون نے کیقباد اور بغراخان کا حال لکہا ہے، لیکن اصلی واقعہ کو چہوڑکر خاص خاص چیزون کی تعریف مین اس قدر مصروف ہو جاتے ہین کہ واقعات کا سلسلہ بالکل ٹوٹ جاتا ہے اور کلام نہایت بے ربط ہو جاتا ہے، اس عیب کو خود ظاہر کرتے ہین۔

وصف بران گونہ فرو رانده ام	کز غرض قصہ فرو مانده ام
عیب چنان نیست کہ بنهفتہ ام	کانچہ بگو نیند ہمہ گفتہ ام
چون منم اندر طلب کان خویش	معترفم عجز بہ نقصان خویش
عیب یکی نیست کہ جو نیند باز	چون ہمہ عیب است چہ گو نیند باز

غرۃ الکمال کے دیباچہ مین لکہتے ہین کہ شاعر کی تین قسمین ہین،

اُستاد تمام، جو کسی طرز خاص کا موجد ہو، جیسے حکیم سنائی، انوری، ظہیر، نظامی، اُستاد نیم تمام، خود کسی طرز خاص کا موجد نہین، لیکن کسی خاص طرز کا پیرو ہے اور اس مین کمال بہم پہنچایا ہے،

سارق، جو اورون کے مضامین چراتا ہے، پہر لکہتے ہین کہ اُستادی کی چار شرطین ہین، طرز خاص کا موجد ہو، اس کا کلام شعرا کے انداز پر ہو، [illegible] اخلاق [illegible] کے طریقہ پر نہ ہو، غلطیان اور لغزشین نہ کرتا ہو،

یہ شرائط لکہکر فرماتے ہین کہ مین درحقیقت اُستاد نہین [illegible] ہین سے مجہہ مین صرف دو شرطین پائی جاتی ہین، یعنی [illegible]

کلام صوفیوں اور واعظوں کے انداز پر نہیں، لیکن دو شرطیں مجھ میں موجود نہیں اول تو میں کسی طرز خاص کا موجد نہیں، دوسرے میرا کلام لغزشوں سے خالی نہیں ہوتا خود اُن کے الفاظ یہ ہیں،

بندہ را ازان چہار شرط اُستادی کہ گفتہ شد، اول شرطے کہ مالک طرز است بحکم اجراے کہ در مجراے قلم جریان یافت، کہ چندین اُستادرا ستالیح کلمات بودہ ام،

چون پس رو طرز ہر سوادم | پس شاگردم نہ اوستادم

وشرط دوم آنکہ در نافہ سواد بوے خطا نہ باشد ازان نیز دوم نتوانم زد کہ نظم بندہ اگرچہ بیشتر روان است، اما جا بجا در غزل و نظر نظر یدی ہم است درین دو شرط معترفم کہ از لاف اُستادی قرعہ بہ فال نتوانم غلطانید،

کیا دُنیا میں اس سے زیادہ کوئی انصاف پرستی اور بےنفسی کی مثال مل سکتی ہے، امیر صاحب کے کلام پر ریویو کرنے کے لئے اس سے زیادہ بڑھکر کیا دلیل راہ ہوسکتا ہے!

امیر صاحب نے بتادیا ہے کہ وہ اصناف سخن میں سے کس صنف میں کس کے پیرو ہیں تفصیل اس کی یہ ہے۔

غزل | سعدی | مثنوی، | نظامی
مواعظ و حکم | سنائی و خاقانی، | قصائد ضمیر الدین نیشاپوری و کمال اسمعیل خلاق المعانی

لیکن نغزشیں کون بتلائے؟ یہ کس کا منہ ہے؟ ہم دبی زبان سے صرف اسقدر کہہ سکتے ہیں کہ بعض کلام میں (قران السعدین و اعجاز خسروی) لفظی رعایت اسقدر ہے جو ضلع جگت کی حد تک پہنچ گئی ہے، بعض جگہ بالکل تکلفات اور آورد ہے،

ملفوظہ یہ واقعہ جس قدر عقل کے خلاف ہے اسی قدر تاریخ کے بھی مخالف ہے ۱۲ معاملہ صفحہ ۳۴۰

امیر صاحب نے شعر و شاعری کے متعلق دیوان کے دیباچہ میں بہت سے نکتے لکھے ہیں جن سے اس فن کے متعلق مفید نتائج حاصل ہو سکتے ہیں غرۃ الکمال کے دیباچہ میں اسپر بحث کی ہے کہ فارسی اور عربی شاعری میں کسکو ترجیح ہے۔ فیصلہ فارسی کے حق میں کیا ہے اور اسکی یہ دلیلیں لکھی ہیں

(۱) عربی میں ایسے زحافات ہیں کہ اگر فارسی میں ہوں تو کلام ناموزون ہو جائے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فارسی کے اوزان ایسے منضبط اور لطیف ہیں کہ ذراسی کمی بیشی کی برداشت نہیں کر سکتے، (۲) عربی زبان میں ایک ایک چیز کے لئے متعدد مترادف الفاظ ہیں اسلئے شاعری آسان ہے، ایک لفظ کسی وزن یا بحر میں نہ کھپ سکا تو دوسرا موجود ہے بخلاف اسکے فارسی میں نہایت محدود الفاظ ہیں، باوجود اسکے فارسی شعرا پر میدان شاعری تنگ نہیں،

(۳) عربی زبان میں صرف قافیہ ہے، ردیف نہیں،

اب غور کرو عربی زبان کو متعدد طرح کی وسعت حاصل ہے، وزن اتنا وسیع کہ جتنے زحافات چاہیں استعمال کرتے جائیں، لفظوں کی بہتات کہ ایک لفظ کے بجائے دوسرا اور دوسرے کے بجائے تیسرا موجود ہے، ردیف کی سرے سے ضرورت ہی نہیں، نرے قافیہ پر مدار ہے، جس قدر قافیے ملتے جائیں کہتے جاؤ، ان سب وسعتوں کے ساتھ، عربی شاعری فارسی شاعری پر غالب نہیں آسکتی،

اسکے علاوہ عرب کا شاعر اگر ایران میں آئے اور برسوں قیام کرے تاہم فارسی زبان میں شعر نہیں کہہ سکتا، لیکن ایران کا شاعر بے تکلف عربی میں شاعری کر سکتا ہے زمخشری اور سیبویہ عجمی تھے لیکن زباندانی میں عرب عربا سے کم نہ تھے، فارسی کے وجوہ ترجیح لکھکر لکھتے ہیں کہ اور بہت سے وجوہ ہیں لیکن میں اس لئے قلم انداز کرتا ہوں کہ کوئی مذہبی تعصب کے پردے میں مخالفت پر نہ آمادہ ہو جائے،

امیر خسرو فن شاعری مین جن خصوصیات کے لحاظ سے ممتاز ہین، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) ایران مین جس قدر شعرا گذرے ہین، خاص خاص اصناف شاعری مین کمال رکہتے تھے، مثلاً فردوسی و نظامی، مثنوی مین، انوری، اور کمال قصائد مین سعدی، اور حافظ غزل مین، یہی لوگ جب دوسری صنف مین ہاتھ ڈالتے ہین، تو پھیکے پڑ جاتے ہین، بخلاف اس کے امیر صاحب قصائد، مثنوی، اور غزل تینون مین ایک درجہ رکھتے ہین، مثنوی مین نظامی کے بعد آجتک اُنکا جواب نہین ہوا، غزل مین وہ سعدی کے دوش بدوش ہین، قصائد مین اُنکی چندان شہرت نہین ہوئی، لیکن کلام موجود ہے، مقابلہ کرکے دیکھو، تو کمال، اور ظہیر سے ایک قدم پیچھے نہین، تفصیل اس کی آگے آتی ہے،

(۲) ایشیائی شاعری پر یہ عام اعتراض ہے کہ خاص خاص چیزون پر نظمین نہین لکہی گئین، مثلاً قلم، کاغذ، کشتی، دریا، شمع، صراحی، جام، خاص خاص میوون اور پہولون، وغیرہ وغیرہ پر ایسی مسلسل اور لمبی نظمین نہین ملتین، جن سے انکی تصویر آنکہون مین پھر جائے، امیر صاحب نے ایشیائی شاعری کی اس کمی کو پورا کر دیا ہے، انہون نے قران السعدین مین اکثر اسی قسم کی نظمین لکہی ہین، اور اس کتاب سے اُن کا بڑا مقصد اسی قسم کی شاعری کا نمونہ قائم کرنا تھا چنانچہ خود فرماتے ہین

بود مرا اندیشہ من چند گاہ ... کز دلی دانستہ حکمت پناہ

چند صفت گویم و آنش دہم ... جمع اوصاف دلاسش دہم

طرز سخن را روشش نو دہم ... سکہ این ملک بہ خسرو دہم

سکہ خود زین فن اندیشہ زائے ... تا نظامم نشینم زباسنے

وصف خزان گو شدہ ازدانِ تو ... کان دگر را بد آن بد کہ چون

گرچہ بدریا گذرد پیشش دگم | آب بپاشد بگردش تا شکم
دست چو در آب فرازا فگند | آب بدست آرد و باز افگند
لطمہ زدہ بر رخ دریا بہ زور | آب ازان لطمہ بہ فریاد و شور
در رہ بے آب نماند شدن | کیست کہ بے آب تواند شدن

(۳) تشبیہ شاعری کے چہرہ کا آغازہ ہے، لیکن تقلید پرستی نے یہ حالت پیدا کر دی تھی کہ جن چیزوں کی جو تشبیہیں ایک دفعہ قدما کے قلم سے نکل گئیں اُن کے سوا گویا دنیا کی تمام چیزیں بیکار تھیں،

امیر صاحب نے بہت سی نئی تشبیہیں خود پیدا کیں، چنانچہ غرۃ الکمال میں خود لکھتے ہیں

تشبیہات نو بسیار است این محل جملہ را تحمل نتواند کرد ما اما دو سہ نظیر برائے یاد کردن گرد شدہ،

اس کے بعد دو تین مثالیں لکھی ہیں،

زانتظار دو ماہی ساق تو صبح و شام | نیز بر سر سود ارم چو دام ماہی گیر

قرہ ہائے گشر دل آویخت، | گشر ہائے دکان قصابے ست

سہی خرامش آن نازنین بہ عیاری | کبوترے بہ نشاط آورست پنداری

امیر صاحب چونکہ ہندی زبان سے آشنا تھے اسلئے تشبیہات میں اُن کو برج بھاکا کی سرمایہ سے بہت مدد ملی ہوگی۔ اخیر شعر غالباً اسی خرمن کی خوشہ چینی ہے۔ فارسی شعرا معشوق کی رفتار کو کبک کی رفتار سے تشبیہ دیتے تھے، ہندی میں ہنس کی چال عام تشبیہ ہے، لیکن کبوتر مستی کی حالت میں جس طرح چلتا ہے وہ مستانہ خرام کی سب سے اچھی تصویر ہے،

قصیدہ، مثنوی، غزل مین اُنہون نے جو جدتین پیدا کین، اُن کی تفصیل علیحدہ علیحدہ عنوانون مین آگے آتی ہے،

مثنوی مثنوی مین جیسا کہ وہ خود لکھتے ہین، نظامی کے پیرو ہین، نظامی کے پنج گنج مین تین قسم کی مثنویان ہین، رزمیہ، عشقیہ، صوفیانہ، امیر صاحب نے بھی تینون مضامین کو لیا ہے اور ہر رنگ کو **نظامی** کے انداز مین لکھا ہے۔

ایک ایک مثنوی پر ریویو کرنا خاص اُن کے سوانح نگار کا کام ہے۔ البتہ نمایان مثنویون کا ذکر کرنا ضروری ہے،

قران السعدین، یہ سب سے پہلی مثنوی ہے جو ۳۶ برس کی عمر مین لکھی اِسلئے بہت تکلف اور آورد بہت ہے لیکن باوجود اِسکے اکثر جگہ نہایت بلند پردازی اور بہ جستہ ہے مثنوی کا قصہ نہایت بیہودہ تھا یعنی باپ بیٹون کی مخالفانہ خط وکتابت و رحلہ کی بنا تھا بیٹا یعنی کیقباد نہایت گستاخ اور بے تمیز تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ وہی صاحب تخت تھا اور اُسی کی فرمائش سے یہ مثنوی لکھی گئی۔ بیٹا یہ بھی چاہتا تھا کہ اُسکی گستاخیان جنکو وہ اپنی دلیری کے کارنامے سمجھتا تھا مفصل اور آب و رنگ کے ساتھ لکھی جائین، اور یہ ثابت کیا جائے کہ باپ کے ہوتے، تخت سلطنت کا مستحق بیٹا ہے، اس جھوٹی منطق کو امیر صاحب نے جہانتک ہوسکا خوب نبا ہا ہے چنانچہ بیٹے کی زبان سے کہتے ہین:

گر بہ گہر تاج ستان توام	عیب مکن گوہر کان توام
در ہوس تاج ترا در سر است	من گہرم تاج مرا درخور است
چون سرم از بخت سرافراز گشت	تاج تو ہم تارک من را نگشت
تخت جہان بہر تو برپاے کرد	لیک بر او بخت مرا جاے کرد
ملک بہ میراث نیابد کسے	تا نزند تیغ دو دستی بسے

۱؎ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک کاغذ شام سے آتا تھا ۱۲ دیکھو حاشیہ نمبر ۳۹ کا آخر

از تو اگر نام پدر روشن است / خطبهٔ جد بین که بنام من است

هر دو جوانیم من و بخت من / با دو جوان نیچد بهم در مزن

گرچه بروبت نه کشم در ستیز / از پے تعظیم تو شمشیر تیز

لیک تو دانی که چو کین آورم / شیر فلک را بزمین آورم

جز تو کسے گر دم ازین زند / سرزنش تیغ منش سر زند

لیک توئی چون بہ پے این سریر / من ندهم گر تو توانی بگیر

باپ نے جو جواب لکھا ہے دیکھو کس طرح ، حرف حرف ، پدرانہ محبت کے نشے سے چور ہے ،

اے ز نسب گشته سزاے سریر / وز پسری هیچ پدر بے نظیر

گرچه غبار است ز کار تو ام / سرمهٔ چشم است غبار تو ام

تا تو ندانی که درین گفتگوے / از پے ملک است سر [illegible]

گرچه توانم ز تو این پایه برد / از تو ستانم بلکه خواهم سپرد

شکر که شد زنده در ایام تو / من ز تو و نام من از نام تو

باش بکامم که بکام توام / زنده و نازنده بنام توام

خواهست از جان که بپاے مرا / ور تو بخواهی و نخواهی مرا

جز به تمناے تو سودام نیست / بهتر ازین هیچ تمنام نیست

گرچه که سلطان جهانم به ملک / تاج ده و تخت ستانم به ملک

لیک چو دورم ز تو ای نیک بخت / نے خوشم از تاج و نه شادم ز تخت

بخت من از پاے بر افلاک سود / با تو چو یک دم نه نشینم چه سود

ان دلگداز الفاظ نے بیٹے کے دل پر بھی اثر کیا ، اب اس کا لہجہ بدل جاتا ہے ۔ اور

سلہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے بھی اسی طرح کاغذ بناتے تھے کہ ردی اور کپڑے کے چیتھڑوں کو پانی میں بھگو کر پانی کی طرح سیال بنا لیتے تھے ، پھر وہ خشک ہو کر کاغذ ہو جاتا تھا ۔ (یہ حاشیہ صفحہ ۴۹ کا ہے)

فرزندانہ جوش محبت مین کہتا ہے ۔

من کہ گلے رستہ باغ توام ؛	پرتوے از نور چراغ توام
گرچہ بہ مہ ماہ رسد افسرم	ہم بہ تہ پاے تو باشد سرم
زاہد و خود کن تو اشارت چنین	من سر خاقان فگنم بر زمین
تاج زمن با سر تو افراختن	عاج ز تو با تخت زمن ساختن
در بہ ملاقات رہی را نشست	افسر من خدمتی پاے تست
نیست بجز آن خلل وآن شکوہ	کز سر خود سایہ فشانم بہ کوہ

باپ جب بیٹے سے ملنے آیاے تو بیٹا تخت شاہی پر متمکن تھا باپ کو دیکھکر بے اختیار تخت سے اُترا اور باپ کی طرف بڑھا باپ نے چھاتی سے لگا لیا اور بہت دیر تک دونون جوش محبت مین ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے تھے پھر بیٹے نے باپ کو لیجاکر تخت پر بٹھا دیا ۔

گرم فرو جست ز تخت بلند	کرد بہ آغوش تن ارجمند
داشت بہ آغوش خودش تا بہ دیر	سیر نشد چون شود از عمر سیر
باخودش از فرش بہ اورنگ برد	تخت کیان باز کیان را سپرد
گاہ ز دیدہ بہ نثارش گرفت	گاہ دوبارہ بہ کنارش گرفت
گاہ نظر بر رخ زیباش کرد	گاہ دل از مہر شکیباش کرد
پیشش از اندازہ تقاضا گذشت	چند نوازش ز عنایت گذشت

قران السعدین کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ نظم اور لطائف نظم کی پابندی کے ساتھ تاریخی حیثیتین تمام ملحوظ رکھی گئی ہین اس طرح کہ کوئی مؤرخ لکھتا تو اس سے بڑھکر ان باتون کو نہ لکھتا ۔

خمسہ خمسہ مین پانچ مثنویات ہین یعنی مطلع الانوار ، شیرین خسرو ، لیلی مجنون ، آئینہ اسکندری ، ہشت بہشت ۔

جس ترتیب سے ہم نے ان کتابون کے نام لکھے ہین، یہی ان کی تصنیف کی ترتیب ہے چنانچہ امیر صاحب نے خود ہشت بہشت مین تصریح کی ہے، ان پانچون کتابون کی تصنیف کا زمانہ کل سوا دو برس ہے، اور یہ قادر الکلامی اور پُرگوئی کا حیرت انگیز اعجاز ہے،

اگرچہ اس مین شبہ نہین کہ نظامی کے جواب مین جس قدر خمسے لکھے گئے انہین نسبتاً امیر صاحب کا خمسہ سب سے بہتر ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان مین بعض، نظامی کی تصنیف سے کچھ نسبت نہین رکھتین۔ مطلع انوار مین صاف خامی نظر آتی ہے۔ اور آئینۂ سکندری بالکل پھیکی اور کمزور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خود امیر صاحب کے دل مین بھی بے اطمینانی تھی، آئینۂ سکندری مین لکھتے ہین،

دگر بار گیری تو پیوند خویش　　مرا خود عزیز است فرزند خویش
سخن گرچہ آوازِ خستہ را　　بود ارغنون گوش خسپندہ را
بدہ یاد بخشایش دادگر　　کہ بر من بہ بخشش گمارد نظر
ہنر جوی و در عیب جوئی مکوش　　ترا نیز عیبی است بر خود بپوش

نظامی کے پُر زور رزمیہ معرکون کے مقابلہ مین ان کی زورِ طبع کا یہ نمونہ ہے،

چو گردون شد از نالۂ زر بہ جوش　　بہ دریائے لشکر در افتاد جوش
خراشہ درآمد بہ مردِ سپاہ　　روارو درآمد بہ خورشید و ماہ
علم سر ز عیوق برتر کشید　　سنان چشم سیارہ بر سر کشید
بیابان ہمہ بیشۂ شیر گشت　　جہانے پر از شیر و شمشیر گشت
غبار زمین پردہ کلہا ببست　　نفس را درون گلو راہ بست
چنان گشت روی ہوا گردناک　　کہ سیارہ گم کرد خود را بہ خاک
سپاہ اندر آمد بموج فوج فوج　　چو دریا کہ بادش درآرد بہ موج

بدریائے آہن جہان گشتہ غرق — ہوا پر ز تیغ و زمین پر ز درق

ز بانگ ہیونان گیتی نورد — شدہ پُر صدا گنبد لاجورد

عرق کردن توسنان در شتاب — ز دریائے آتش برانگیختہ آب

شرارہ کہ زد نعل ہنگام رو — ستارہ برون ریخت از ماہ نو

نفیر از چکاشنی کمان — شدہ چاشنی بخش جان ہا زبان

گرہ بر گرہ دشت پیکان نشان — زرہ بر زرہ پشت روئین تنان

بزیر سپر تیغ رخشان ز تاب — چنان کز تہ برگ نیلوفر آب

اس کمی کے مختلف اسباب ہین، مثنوی امیر صاحب کا اصلی مذاق نہین، سلاطین کی فرمائش سے وہ مثنویان لکہتے تھے اور گویا بیگار ٹالتے تھے چنانچہ خمسہ کا خمسہ دو سوا دو برس مین لکہا ہے اور مطلع الانوار تو صرف دو ہفتہ کی کمائی ہے۔

ان کتابون کی تصنیف کے زمانہ مین دربار کی خدمتون سے بہت کم فرصت ملتی تھی۔ لیلی مجنون کے خاتمہ مین لکہتے ہین کہ نظامی کو شاعری کے سوا کوئی شغل نہ تھا اور کسی قسم کی بے اطمینانی نہ تھی، میرا یہ حال ہے کہ پانون کا پسینہ سر پر چڑہتا ہے تب روٹی ملتی ہے۔

مسکین من مستمند بیہوش — از سوختگی چو دیگ در جوش

شب تا سحر و ز صبح تا شام — در گوشۂ غم نگیردم آرام

باشم ز برائے نفس خود رائے — پیش چو خودے ستادہ بر پائے

تا خون نہ رود ز پائے تا سر — دستم نشود ز آب کس تر

اس خمسہ مین ایک کتاب ان کے خاص مذاق کی ہے، یعنی لیلی مجنون اگرچہ اس کتاب مین بھی انہون نے خاکساری سے نظامی کے سامنے اپنے آپ کو ہیچ کہا ہے۔

می داد چو نظم نامہ را پیچ — باقی نگذاشت بہر ما ہیچ

لیکن انصاف یہ ہے کہ ان کی لیلیٰ مجنون اور نظامی کی لیلیٰ مجنون میں اگر کچھ فرق ہے
تو اس قدر نازک ہے کہ خود ہی اسکو سمجھ سکتے ہیں،

اس کتاب میں ہر قسم کی شاعری کے موقع پیدا کئے ہیں، اور ان کا کمال دکھایا ہے
مثلاً ایک موقع پر دھوپ کی شدت اور گرمی کا سماں دکھاتے ہیں،

آتش زدہ گشتہ کوہ و وادی ہم   تفسیدہ زمین و آسمان ہم
جانے کہ [illegible] خواب   ابرے نہ [illegible] آفتاب
مرغان چمن خزیدہ در شاخ   در رفتہ چرندگان بسوراخ
ریگ از تف خود پختہ در گرانی   چون تابہ روغن [illegible]
از گرمی ریگ پائے گردان   پر آبلہ پائے رہ نوردان

عشق و محبت کے جذبات کے دکھانے کا اس سے بڑھکر کونسا موقع مل سکتا تھا،
اس لحاظ سے اس مثنوی کا ہر شعر گویا ایک پر درد غزل ہے، سگ لیلیٰ کا واقعہ جو مشہور
ہے اور شعرا نے اس دلچسپ روایت کو طرح طرح سے رنگا ہے، امیر صاحب نے اسکو سب سے
زیادہ موثر طریقے سے ادا کیا ہے، مجنون کتے سے خطاب کرتا ہے،

ہستیم من و تو ہر دو شب گرد   لیکن تو بنالہ و من از درد
چون باز گذر کنی دران کوے   برخاک درش ز من بنہ روے
ہر کس کہ بود گذاشت گاہے   از من برسانش سلامے
ہر جا کہ نہاد پائے رویش   زنہار ببوی از لب من
خواہد چو ترا درون دہلیز   یادش دہی از سگ دگر نیز
زنجیر خودت نہد چو بر دوش   از گردن من مکن فراموش

اس پیرایہ ادا کو دیکھو کہتے ہیں کہ جب لیلیٰ تجھکو ڈیوڑھی کے اندر بلائے تو ایک اور
سگ در کو یاد دلا دینا، جب لیلیٰ تیری گردن میں طوق ڈالے تو یہ کہنا میری گردن کو بھول نہ

جاتا ؟ عاشق کا پیغام و سلام سب لکھتے ہیں لیکن معشوق عاشق کو کیا لکھتا ہو اور کیونکر لکھتا ہے نہایت نازک مقام ہے، دیکھو امیر صاحب اس نازک موقع کو کیونکر نباہتے ہیں، لیلیٰ مجنون کو لکھتی ہے،

اے عاشق دور ماندہ چونے — وے شمع ز نور ماندہ چونے

روزت دانم کہ شب نشان است — شبہائے سیاہ بر چہ سان است

از من بکہ مے بُری حکایت — با خود ز کہ میکنی شکایت

در گوش کہ می نالہ رسانی — در پائے کہ قطرہ مے فشانی

بازار تو در کدام سوی است — سیلاب تو در کدام جوی است

معشوق اس قدر ضرور جانتا ہے کہ عاشق رونے دہونے اور درد دل کہنے سے باز نہیں رہ سکتا اب اُسکی غیرت یہ سوالات پیدا کرتی ہے کہ کس کے سامنے روتا ہے کس سے درد دل کہتا ہے کس کے آگے میرا نام لیتا ہے، یہ باتیں تو رازداری معشوق ہی کے خلاف ہیں، ان سچے جذبات اور خیالات کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

آئینہ سکندری بھی ہے لیکن اس کتاب میں بھی ان کے مذاق کا جو میدان آیا ہے اُس میں وہ نظامی کے دوش بدوش ہیں، نظامی نے سکندر اور نوشابہ کی بزم آرائی کا قصہ بڑی آب و تاب سے لکھا ہے، خاص اُس موقع پر خوب زورِ طبع دکھایا ہے جہاں وہ دلربا سکندر کی ایک ایک بات پر اپنی ترجیح ثابت کرتی ہے،

امیر صاحب نے بھی یہ معرکہ باندہا ہے، اور اسی طرح بت چینی کا فخریہ لکھا ہے نظامی کے فخریہ سے ملاکر دیکھو معشوق چینی کہتا ہے اور سکندر کے ایک ایک وصف کے مقابلہ میں اپنی ترجیح ثابت کرتا ہے،

مشعبد کہ داند جہان سوختن — ز من بایدش بازی آموختن

ہمہ خون خوبان کش مے خورم — وے نوش بادم زکہ خوش میخورم

رخ ہر صنم ناپدید از من است ‏ — صنم خانہ ہا را کلید از من است
سپہر آفتاب زمین خواندم؟ ‏ — دگر ماہ بیسند ماہین خواندم
سکندر کہ کرد آب حیوان ہوس ‏ — نظیر نش بود مقصود و بس
گر او ہست کیخسرو و جام جوئے ‏ — مرا جام گیتی نمائی است روئے
گر از مجلس او سمن مے دمد؟ ‏ — مرا لالہ و گل ، ز تن مے دمد؟
گر او را ست بر تخت ہا پا نشست ‏ — مرا در دل او ست جا نشست
گر او تاج خواہد ز شاہان خراج ‏ — من از سروران است ستانم تاج
گر اقبال و دولت ورا یاور اند ‏ — مرا ہر دو چون کمترین چاکر اند
گر او دشمنان را بہ خون خوردن است ‏ — مرا خون صد دوست در گردن است
گر او را یک آئینہ بر کف نشست ‏ — دو آئینہ دارم من از پشت دست
کمان وے از صد شکارا فگند ‏ — یک ابروئے من صد ہزار افگند
کمند وئے ار صید بند و دام ‏ — من آنم کہ صیاد گیسم بدام
گر او را کلاہے است بر آسمان ‏ — مرا صد کلاہ است بر آستان

ہشت بہشت یہ سب سے اخیر مثنوی ہے اور امیر صاحب کی شاعری اسمیں پختگی اور پرکاری کی اخیر حد تک پہنچ گئی ہے ، خاص جو بات اس میں ہے وہ واقعہ نگاری کا کمال ہے ساری کتاب میں فرضی حکایتیں لکھی ہیں ، لیکن التزام کیا ہے کہ جو واقعہ لکھا جائے اسکے نہایت چھوٹے چھوٹے جزئیات جن کے ادا کرنے سے زبان قاصر ہوتی جاتی ہے ، ادا کئے جائیں۔

تمام کتاب کا یہی انداز ہے ۔ اور اس خصوصیت کے لحاظ سے فارسی زبان کی کوئی مثنوی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ،

مثلاً ایک قصہ لکھا ہے کہ حسن ایک سنار تھا ، اسکو بادشاہ نے ایک جرم کی بنا پر

یہ سزا دی کہ ایک اونچی لاٹ پر چڑھوا دیا، حسن کی بیوی لاٹ کے پاس گئی حسن نے لاٹ پر سے کہا کہ بازار سے ریشم اور قند لا، جب وہ لائی تو کہا کہ ریشم کے تار کے سر پر قند چپکا کر کسی چیونٹی کے منہ میں جو لاٹ پر چڑھ رہی ہو دیدے، اور خود جلد جلد تار کی گولی کھولتی جائے، چیونٹی تار کو لئے ہوئے اوپر چڑھتی چلی گئی، حسن کے قریب پہنچی تو حسن نے تار کو لیکر اس سے رسی بٹی، اور پھر ایک خاص تدبیر سے اسی کے سہارے نیچے اترا تمام قصہ بہت لمبا ہے ابتدا کے چند شعر ہم نقل کرتے ہیں،

چون نگہ کرد خواجہ از بالا ‌ ‌ ‌ ‌ کز تنش در رسید با کالا؟
دادش آواز گفت بر سر تار ‌ ‌ ‌ ‌ پارۂ قند کن بزودی یار؟
دہ بہ مورے کہ می رود بہ سبیل ‌ ‌ ‌ ‌ تا بہ بالاش مے رود بتعجیل
رشتہ را زود زود می کن باز ‌ ‌ ‌ ‌ کز نشیب آورد بہ سوئے فراز
ہمچنان کرد زن کہ او فرمود ‌ ‌ ‌ ‌ داد رشتہ بہ مور د مور ربود
راند بالائے میل تار کشان ‌ ‌ ‌ ‌ رسن فتنہ بر حصار کشان
چون بہ نزدیک خستہ رفت بہ زور ‌ ‌ ‌ ‌ ریسمان را ربود خواجہ ز مور

قصائد قصیدہ میں انکا کوئی خاص انداز نہیں ہے، کمال اسمٰعیل، خاقانی، اور انوری کی تقلید کرتے ہیں اور جسکے جواب میں قصیدہ کہتے ہیں، اس کا تتبع کرتے ہیں، خاقانی کا مشہور قصیدہ ہے

مجلس نوروز آتش دادہ ہر این ز شجر وان الحجر ‌ ‌ ‌ ‌ این کرد منقل را مقمروان جام را چو کو شہ

اسکے جواب میں بہت بڑا قصیدہ لکھا ہے، وہی انداز، وہی تشبیہیں، وہی استعارے ہیں، اور چونکہ خاقانی کا مقابلہ ہے، اسلئے ۱۰ شعر کم کر دیا ہے، اس میں بھی واقعہ نگاری کا خاص انداز قائم ہے، عید کا بیان کیا ہے اور عید کا پورا سماں دکھایا ہے۔

هر سو جوانان نوسلب، هر سو عروسان در قصب — خفقان نه خفته از طرب، پاییده به فردا داشته

از شیر و خرما هر دو زن، در شیرخواری تن به تن — چون شیرخواران در دهن، پستان خرما داشته

خورشید چون سر بر زده، هر کس رہی در شده — این رو به سوی میکده، او رو به مصلا داشته

فاسق کرهی ناخورده گه، در عید گیہوده ره — سر بر بساط سجده گه، دل سوی صہبا داشته

داروی معلول است می، این جا معلول است شے — خورشید مشغول است مے، در طاس مینا داشته

ان کے قصائد میں مدحیہ مضامین ہمیشہ بدمزہ اور پھیکے ہوتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ مدح دل سے اُن کو پسند نہیں، صرف معاش کی ضرورت سے یہ ذلت گوارا کرتے ہیں اس لئے قصیدہ میں اور اور مضامین کو لیتے ہیں اور اُن میں زور طبع دکھاتے ہیں مثلاً بہار کا سماں برسات کی رُت، صبح و شام کی کیفیت، ایک قصیدہ میں برسات کے آغاز سے تمہید شروع کی ہے اور صرف مطلع میں سب کچھ کہدیا ہے۔

ابر گُہربار بہ ہمہ روی زمین بالا کرد — خبر آر بیار کہ سبزہ چہ قدر سر بر کرد

سپیده دم که صبا گشت بوستان فرسود — بساط خاک ز دیبا و پرنیان فرسود

چو روی نازک گل تاب آفتاب نداشت — زمانه بر سرش از ابر سایه بان فرسود

زلاله خواست چمن ساغر و سبک بخشید — ز ابر خواست زمین شربت و روان[۹۱] فرسود

هر آنچه در ورق خویش غنچه مشکل داشت — بنفشه گوش نهاد و صبا بیان فرسود

صبح کا سماں

سپیده دم که فلک روشنی به گیهان داد — نسیم غالیه در دامن گلستان داد

چو چرخ چهره رخ ز سپیدی و سرخی — به دستش آئینه داد آفتاب خندان داد

درست عشوی آفتاب را که فلک — نهاد زیر زمین با مداد تابان داد

ستاره راز چه شد دیده تیره اندر خورشید — چو شب ز حقه بناش سرمه سپاهان داد

۹۱ روان فرمودن، فوراً حاضر ۱۲

غلام بادہ بجامم کہ بامداد و پگاہ ۔ صلای عیش بہ عشرت سرا مستان داد

باغ

نو بہار است و چمن جلوہ چو حورا کردہ ابر ہا بخشش لولو لالا کردہ ۔
گرہ طرہ سنبل کہ صبا باز شدہ دامن لالہ پر از عنبر سارا کردہ
ہر گل و لالہ پرید و ز آنگہ قمری پاے آلودہ بہ خون پائچہ بالا کردہ
عاشقان رفتہ بہ گلزار و دل تنہا بہ تکلف ز گل و لالہ شکیبا کردہ

نو بہار امسال مارا روزہ فرماید ہمے گل چنان تر دامن از می لب نیالاید ہمے
بر دہان غنچہ گہ گہ مے زند بوسہ نسیم کان شکر لب جز بہ بوسہ روزہ نکشاید ہمے
باد در کہسار جام لالہ را بر سنگ زد گل بہ خندہ گفت آری این چنین باید ہمے
نرگس رعنا قدح بر دست و چشم اندر ہوا گوئیا میخوارہ ماہ عید را پاید ہمے
گویا شراب خوار ماہ عید کو ڈھونڈھتا ہے

برسات

ہوای خرم است و ہر طرف باران ہمی بارد تو گوئی قطرہ کز بالای گل ریحان ہمے بارد
نگون سر شاخہای سبز گوئی در ہمی چینند ز لب کابر درافشان لولوی غلطان ہمی بارد
یعنی شاخین جو جھکی ہوئی ہین تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادل نے جو زمین پر موتی برسائے ہین یہ اُنکے رولنے کو جھکی ہین ۔
چکان قطرہ ز سرہای انار تو بپنداری کہ ہر دانہ کہ بود است اندرو پنہان ہمی بارد
خوش آن وقتی کہ مطرب بہ سماع نیکوان خوش خرامان در میان سبزہ و باران ہمے بارد

بعض قصائد سراپا موعظت و اخلاق مین ہین مثلاً مین بحر الابرار جو بڑا اپنے حاصل قصیدہ ہے مشہور ہے التزام کیا ہے کہ ہر شعر مین دعوی اور اُس

کے ساتھ دلیل ہوتا

کوس شہ خالی و بانگ غلغلش درد سر است ہر کہ قانع شد بہ خشک و تر شہ بحر و بر است
عاشقی رنج است مردان را لیکن راحت است سلسلہ بند است شیران را بہ گردن زیور است

یعنی عاشقی میں گو تکلیف ہے۔ لیکن مردوں کو وہی آرام دہ ہے جس طرح شیر زنجیر میں بندھا ہوتا ہے اور یہی زنجیر اس کا زیور ہے۔

مرد تنہا در گلیمے پادشاہ عالم است تیغ خفتہ در نیامے پاسبان کشور است
زاہد چون در رہا کوشد حریص شہوت است بیوہ زن چون رخ بیارائد بہ بند شوہر است
نفس خاک است ہر گہ تو بالا بر تو تافت سایہ زیر پا شود ہر گہ کہ بر تارک راست
کار این جا کن کہ تشویش است در محشر بسے آب زین جا بر کہ در دریاے شور محشر است
ناکس و کس ہر کہ حرص مال ورزد دوزخی است عود و سرگین ہر چہ در آتش فتد خاکستر است
اے برادر مادر دہر ار خورد خونت مریخ چون ترا خون برادر بہ ز شیر مادر است
وہر خاکے را نمونہ مے کند کین مردم است بحر آبے را غلولہ مے کند کین گوہر است

اہل سخن کے نزدیک قصیدہ میں شاعر کی جدت طبع کا اندازہ مخلص یعنی گریز سے ہوتا ہے۔ اس معیار کے لحاظ سے امیر خسرو اپنے تمام ہمعصروں سے ممتاز نظر آتے ہیں ان کے مخالص کی چند مثالیں ذیل میں ہیں۔

برسات کے ذکر کے بعد۔

بیامد ابر در بخشش و گرزان پایہ در غلط نگیرد ہیچ کس دستش مگر شاہجہان گیرد

بہار کی تمہید کے بعد

گل ار کم عمر شد گو باش وانی کہ در خور نیست عمر جاودان را
نہال باغ شاہی رکن حق آنکہ ز بیم اوست رونق بوستان را
کشادہ چہرہ کہ ماہے شدم بر در زمین در ملک شود ہم کہ آسمان این است

طلوع صبح کا بیان کرکے

صبح را گفتم کہ خورشید کجا است   آسمان روئے ملک پیچ نمود ؟

ندارد روشنی آن نازک کہ صبح آید   مگر در سایۂ رایات شاہ کامگار آید

طلوع آفتاب کے بیان کے بعد

خورشید جہانگیر پیشدار کہ در بزم   شمشیر کشیدہ ملک الشرق برآمد

قصائد میں امیر صاحب نے جس قدر جدید مضامین لطیف استعارات نئی نئی تشبیہیں گوناگون اسلوب پیدا کئے اسکا احاطہ نہیں ہو سکتا ہم اس موقعہ پر صرف بہاریہ تمہید کے چند شعر اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ بہار شعرا کا پامال میدان ہے لیکن امیر صاحب اس میں بھی سب سے الگ ہیں،

بوستان بشگفت و روی لالہ خندان گشت باز   بر رخ گل طرۂ سنبل پریشان گشت باز

سبزہ خطے چند بہر خواندن بلبل نوشت   بلبل آنگہ از خط خوبان غزلخوان گشت باز

خون لالہ گوئیا خواہد چکید از تیغ کوہ   یا چکیدان خون کہ کوہ آلودہ دامان گشت باز

غزل

اوپر پڑھ آئے ہو کہ غزل قدما کے زمانہ تک کوئی مستقل چیز نہ تھی، سعدی نے غزل کو غزل بنا دیا، امیر صاحب کی غزل گوئی پر تقریظ لکھنی ہو تو صرف یہ کہنا کافی ہے کہ وہی خمخانہ سعدی کی شراب ہے جو دوبارہ کھنچکر تیز ہو گئی ہے۔

غزل کی جان کیا ہے ؟ درد، سوز و گداز، جذبات، معاملات عشق، عجز و نیاز لیکن ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ یہ جذبات اور معاملات جس زبان میں ادا کئے جائیں وہی زبان ہو جس میں عاشق معشوق سے راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے یعنی سادہ ہو لیکن

تکلف نہ ہو، ابہام ہو، لطافت نہ چھوٹے، نیا پیرایہ پیدا ہو، اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ چھوٹی
چھوٹی بحریں ہوں، جملوں کی ترکیبوں میں نام کو بھی الجھاؤ نہ ہو، قریب الفہم خیالات
ہوں، اس حد تک امیر صاحب، شیخ سعدی کے دوش بدوش ہیں، لیکن وہ اس
سے بھی آگے بڑھتے ہیں، انہوں نے غزل کی اصلیت کے علاوہ کمال شاعری،
کی بہت سی چیزیں اضافہ کیں، اور ایجادات اور اختراعات کے چمن کھلا دئے، یہ سب
اجمال تھا، تفصیل ذیل میں ہے:

بحروں کی موزونی وہ اکثر شگفتہ اور چھوٹی چھوٹی بحریں اختیار کرتے ہیں جن میں خواہ
مخواہ بات کو صفائی، سادگی، اور اختصار سے ادا کرنا پڑتا ہے، مثلاً

سرے دارم کہ سامان نیست او را — بہ دل دردے کہ درمان نیست او را
فرامش کرد عمرم روز با آنکہ — شبے دارم کہ پایان نیست او را
بہ راہ انتظارم ہست چشمے — کہ خوابے ہم پریشان نیست او را

یار زدل دوستان بر داشت — مہر و پیمانہ از میان بر داشت
در دل او شکر دگار چہ — سنگ از نالہ ام فغان بر داشت
دی بہ تندی بلند کرد ابرو — از پے کشتنم کمان بر داشت

آن دوست کہ بود دیرگران شد — وان صبر کہ داشتم نہان شد
گفتم کہ اسیر گردی اے دل — دیدی کہ بہ عاقبت ہمان شد
دل بر دگرے نہم و لیکن — عاشق بہ ستم نمی توان شد

عاشقم را چو نامہ باز کند — نام من پیش تر طراز کند

گر شماوین عاشقان داریدؐ — بعد ازین پیش بت نماز کشید
گاہ مردن شنیدہ ام محمود — گفت رو دیگم سوے ایاز کشید

داد من آن بت طناز نہ داد — پاسخ نیز دل نواز نہ داد ؟
خواب ما را بہ بست و باز نکرد — دل ما را بہ برد و باز نہ داد ؟
تو چہ دانی نیاز مندی چیست — چون خدایت بہ کس نیاز نہ داد

سوز و گداز سوز و گداز کے خیالات جب وہ ادا کرتے ہین، تو معلوم ہوتا ہے کہ آگ سے دہوان اٹھ رہا ہے۔ اس مین کبھی معشوق سے اپنا حال کہہ رہے ہین۔ کبھی اپنی تصویر کھینچتے ہین کبھی خود اپنے آپ پران کو رحم آتا ہے۔

ماجرائے دوست پرسیدی کہ چون بگذشت حال — ای سرت گردم اچہ می پرسی بدشواری گذشت

اکثر ایسا ہوتا ہے، کہ عاشق معشوق سے اپنی سرگذشت جب بیان کرتا ہے تو تھوڑا سا کہہ کر اس کو رونا آتا ہے، ٹہر جاتا ہے، رو لیتا ہے، پہر آگے بڑھتا ہے اس کی تصویر کھینچتے ہین،

خسرو است و شب افسانہ دیارہ ہر بار — قدرے گریہ و پس بر سر افسانہ رود

زانوش خسرو بہ زیر سر بیافت — سر نہادہ بر سر زانو بخفت ؟

اے آشنا کہ گریہ کنان بندگی دہی — آب از برون مریز کہ آتش بجان گرفت

کبھی کبھی عاشق کا دل کہتا ہے کہ صبر سے کام لینا چاہئے پھر دل پر غصہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ کمبخت جو بات ہو نہین سکتی۔ اس کے کہنے سے کیا فائدہ، اس معاملہ کو باندہتے ہین،

غصہ ام می کشد اے دل سخن صبر گوئے ٭ وہ چرا گوئی از ان کار کہ نتوانی کرد ؟
حسد می بُردی اے دشمن ! بہ عقل و دانش خسرو ٭ بیا تا بر مراد خاطر خود بینی اکنونش ؟

رنج اور غم کی اس سے بڑھکر عبرت انگیز تصویر نہین کھینچی جاسکتی ، عاشق جس کا فضل و کمال اور عقل اور سمجھ عموماً مسلم ہے ، عاشق ہو کر تمام اوصاف کو کھو چکا ہے وہ اپنی حالت پر نظر ڈالتا ہے تو خیال آتا ہے کہ دشمنون کی اُمید بر آئی ، اسکو کس موثر طریقہ سے ادا کیا ہے ،

جان ز تن بُردی و در جانی ہنوز ٭ دردہا دادی و در مانی ہنوز ؟

گفتی اندر خواب گہ گہ روی تو بینی بجا ہست ٭ این سخن بیگانہ را گو ما کہ آشنا را خواب نیست

غمزہ تو بہر دل سلطان زند ؟ ٭ ورنہ رسنجے بر دل درویش ہم

یعنی تیرا غمزہ بادشاہون کے دل پر حملہ کرتا ہے اور بُرا نہ مان تو فقیرون پر بھی ورنہ رنجی سے کس قدر عاشقانہ خضوع ظاہر ہوتا ہے ،

کشتم از تیغ جفائش خویش را ٭ بر تو آسان کردم ، و بر خویش ہم

من کجا خسپم کہ از فریاد من ٭ شب نمی خسپد کسے در کوی تو

صبر طلب می کنم از دل عاشق ٭ ہیچو خراجے کہ بر خراب نویسند

یعنی معشوق ! عاشق کے دل سے صبر چاہتے ہین ، یہ ایسی بات ہے ، کہ بے خبر زمین پر محصول لگایا جائے

اگر دیدہ چہ ریزی از بر دن آب ٭ کین شعلہ بہ جان گرفت ما را ؟

ای خواب! ابر دکه باز امشب؟ سودای فلان گرفت ما را؟

ای عشق کار تو بہ چو من ناکسے فتاد گویا کسے نماند جہان خراب را

دل ندارم غم جانان بجیسہ بتوانم خورد پیش ازین گر چہ غمے بود دلے ہم بودہ است
کس چہ داند کہ چہ رفت از غم تو دوش بمن از شب تیرہ خبر پرس کہ محرم بودہ است

بیا بر دوستان جانان قضا کن ہر آن تیرے کہ بر دشمن خطا شد

دل باز سوی آن بت بدخو چہ میرود آن خو گرفتہ باز دران کوچہ میرود
جان میرود ز تن چو گرہ می زند بزلف مردن مرا است از گرہ او چہ میرود

گر بہ بینی دل ویران مرا؟ گویا ہیچ گہ آباد نہ بود؟

کافرے رخت دلم غارت کرد شہر اسلام و مرا داد نہ بود؟

کرشمہ چند کنی بر من آخر این جان است نمی دہد ز زمین و صبا سے آرد؟

اس مضمون پر تین سو برس کے بعد اہلی نے یوں دست درازی کی

کرشمہ چند کنی با من آخر این جان است نمی دہد ز تن [illegible]
بہ لبم رسید جانم تو بیا کہ زندہ مانم پس ازانکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

جدت اسلوب | غزل کی ترقی کا دور [illegible]

شیخ سعدی ہین لیکن پہر وہ نقش اول تھا۔ امیر صاحب، کی بوقلمون طبیعت نے جدت اسلوب کے سینکڑون نئے نئے پیرایئے پیدا کر دیئے، جو اگلون کے خواب وخیال مین بھی نہ آئے تھے مثلاً یہ مضمون کہ معشوق ظلم وستم کرنے کے ساتھ بھی محبوب ہے، یون ادا کرتے ہین۔

جان ز تن بردی و در جانی ہنوز　　　دردہا دادی و درمانی ہنوز

یا مثلاً معشوق کی گران قدری کو اس پیرایئے مین ادا کرتے ہین

ہر دو عالم قیمت خود گفتۂ　　　نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز؟

معشوق کی آنکھہ کو سب مخمور اور مے آلود باندہتے تھے اسی مضمون کو دیکھو، امیر صاحب نے کس انداز سے کہا ہے۔

مے حاجت نیست مستیم را؟　　　در چشم تو تا خمار باشد؟

معشوق کا عاشقون کے رنج وغم سے بے خبر ہونا، عام مضمون ہے اس کو کس لطف سے ادا کیا ہے،

گل چہ داند کہ درد بلبل چیست　　　او ہمین کار رنگ و بو داند؟

معشوق معشوقانہ ادأون کو چھوڑنا چاہتا ہے اسکو یون باز رکھتے ہین،

ہنوز ایمان و دل بسیار غارت کردنی داری　　　مسلمانی میاموز آن دو چشم نامسلمان را

رخصت کے وقت معشوق کو ٹھہراتے ہین کہ میرے آنسو تھم جائین تو جانا،

می روی و گریہ مے آید مرا؟　　　ساعتے بنشین کہ باران بگذرد

لطف اور قہر کی نگاہ کی تاثیر کا فرق،

گفتم چو [illegible]　　　از یک نگاہ کشت و نگاہ دگر [illegible] کرد

سعدی کا شعر ہے

دوستان منع کنندم کہ چرا دل بتو دادم　　　باید اول بتو گفتن کہ چنین خوب چرائی

یہ مضمون اگرچہ نیچرل ہونے کی حیثیت سے اس قدر اعلیٰ درجہ کا تھا کہ اس پر ترقی نہین ہوسکتی تھی۔ لیکن امیر صاحب نے ایک اور جدید اسلوب پیدا کیا،

جراحت جگر خستگان چہ مے پرسی؟ — زغمزہ پرس کہ این شوخی از کجا آموخت

غالب نے اسی خیال کو اور زیادہ بدیع اور شوخ کردیا ہے،

نظر کہین نہ لگے اُن کے دست و بازو کو — یہ لوگ کیون مرے زخم جگر کو دیکھتے ہین

معشوق کی آمد کی دلفریبی کو اس طریقہ سے ادا کرتے ہین،

تُتے وآفت تقویٰ وآخر این نپسندانی — کہ در شہر مسلمانان بناید این چنین آمد

اس مضمون کے ادا کرنے کا معمولی پیرایہ یہ تھا کہ معشوق کے آنے سے لوگون کے زہد و تقویٰ مین فرق آتا ہے، بجائے اسکے خود معشوق سے خطاب کرتے ہین اور کہتے ہین کہ مسلمانون کے شہر مین یون نہین آیا کرتے، گویا معشوق کا فتنہ انگیز ہونا اس قدر حد سے بڑھ گیا ہے کہ اپنی حالت کا خیال نہین۔ بلکہ یہ فکر ہے کہ اسلام کی حالت خراب نہ ہوجائے،

معشوق کی زیادتی لطف کو اس انداز سے بیان کرتے ہین،

جان ز نظارہ خراب ناز او ز اندازہ بیش — ما بہ بوی مست و ساقی پُر دہد پیمانہ را؟

وحشی یزدی نے اسی خیال سے ایک اور لطیف خیال پیدا کیا۔

شراب لطف پرور جام سیر نیز مے ترسم — کہ زود آخر شود این بادہ و من در خمار افتم

اکثر جگہ صرف لفظون کی اُلٹ پلٹ سے عجیب لطیف بات پیدا کردیتے ہین،

چشم بد دور از چنان روئے — کہ از و چشم دور نتوان کرد

مردمان در من و بیہوشی من حیرانند — من در آن کس کہ ترا بیند و حیران نشود

گفتیم ناخوش چرائی خسروا چون گنم؟ آن قد وآن بالا خوش است

گفتم که همین ترا غلامم؟ گر هست گناه من همین است

دهنت ذره کم از ذره است رخ ز خورشید ذره کم نیست

ابہام یعنی ذومعنین الفاظ سے عجیب عجیب نکتے پیدا کرتے ہیں۔

زبان شوخ من ترکی و من ترکی نمیدانم چه خوش بودی اگر بودی زبانش در دهان من

پیش ازین بر خودم یقینی بود که دلم هیچ دستان نبرد
تو بہ بُردی همه یقین مرا؟ ق به طریقے که کس گمان نبرد

دی روی تو دیدم و نمُردم شرمنده بمانده ام ز رویت

دیگر سر آن نیست که من زهد فروشم ساقی قدحے باده که بر روئے تو نوشم

اکثر جگہ جملہ معترضہ یا شرطیہ جملہ سے عجیب عجیب لطیفے پیدا کرتے ہیں۔ اور یہ حسن کا خاص مذاق ہے،

بر دلے باد الوسے زن بران پائے وگر چیزے نگوید بر دهان هم؟

غمزہ تو بر صف سلطان زند ورنه سیخے بر دل درویش هم
شکم آید که بهم پیش تو نام دگران وگر از صداقت بود پیش تو هم نتوان گفت

کشتم از تیغ جفایت خویش را ؟ بد تو آسان کردم و بر خویشتن ہم

غمے دارم کہ یاد از دوستان دور — بجز دوستی کز دشمنان ہم ؟

واقعہ گوئی اور معاملہ بندی مولوی غلام علی آزاد خزانہ عامرہ میں لکھتے ہیں۔

مخفی نماند کہ ہنگامہ آرائے سخن طرازی شیخ سعدی شیرازی کہ مروج طرز غزل است خیال خیال وقوع گوئی ہم دارد مثل این بیت ؎

دل و جانم بتو مشغول و نظر در چپ و راست — تا نداند رقیبان کہ تو منظور منی ؟

اما ناسخ نقوش ماقوی امیر خسرو دہلوی کہ معاصر شیخ سعدی است۔ بانی وقوع گوئی گردید و اساس آن را بلند ساخت ؎

عشق و ہوس بازی میں جو حالات پیش آتے ہیں، انکے ادا کرنے کو وقوع گوئی کہتے ہیں اہل لکھنؤ نے اس کا نام معاملہ بندی رکھا ہے، بہرحال اس طرز کے موجد جیسا کہ آزاد نے لکھا ہے امیر خسرو ہیں۔

شرف قزوینی، ولی دشت بیاضی، اور وحشی یزدی نے اسکو ترقی کی حد تک پہونچا دیا۔ آزاد نے وقوع گوئی کی مثال میں امیر خسرو کے یہ اشعار پیش کئے ہیں ؎

خوش آن زمان کہ بہ روش نظر نہفتہ کنم — چو سوی من نگرد او نظر بگردانم

غلام آن نفسم کامدم چو خانۂ او ؟ — بہ خشم گفت کہ از در کشید بیرونش

چو در گرفتم بر روش بسیار و در بیان این گفت مسکین — گرفتار است شاید این طرف بسیار می آید

امیر صاحب کے کلام کی زیادہ تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ہر قسم کے نازک لطیف اور شوخی آمیز معاملات ادا کئے ہیں ؎

چنانکہ گویند کہ گر گہ بروش می گذری — [illegible]

یعنی لوگ کہتے ہین کہ خسرو تمکو وہ کبھی کبھی یاد کرتا ہے۔ لیکن یہ بات تو لوگ تسلی دینے کے لیے بھی کہدیا کرتے ہین اسلئے اعتبار کیونکر آئے،

جانا! اگر شبیست دہن بر دہن نہم خود را بخواب سازو مگو کین دہان کیست؟

معشوق سے کہتے ہین کہ اگر مین کبھی رات کو تیرے موہنہ پر موہنہ رکہدون تو اپنے آپ کو سوتا بنا لینا، یہ نہ کہنا کہ ارے یہ کس کا موہنہ ہے،

دل من مست بود و قصۂ دوست گہے زانجام و گہ ز آغاز مے گفت
اندک اندک گہے با یار بودن خوش بود ور بیشتر گردد ہم بسیار بودن ہم خوش است
تو شبینہ مے نمائی بہ بر کہ بودی؟ امشب کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد؟
مست آن ذوقم کہ شب بے کوئی خود پیدو گفت کیست این؟ گفتہ مسکینے گدائی مے کند
جان ما فدات آن دم کز جہد دو بوسہ گویم کہ یکے دیگر، گوئی تو کہ نتوانم؟
وعدہ می خواہم و در بند وفا نیم غرض آنست کہ بارے بہ تقاضا باشم

روزمرہ اور عام بول چال

عموماً شعرا اور اہل فن اپنے کلام کا رتبہ بول چال سے برتر سمجھتے ہین اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک جداگانہ زبان پیدا ہو گئی ہے، جسکا نام علمی زبان ہے۔

سعدی و نظامی وغیرہ کی بولنے کی زبان اگر قلمبند کی جاتی تو بوستان، اور سکندر نامہ کی زبان سے صاف الگ نظر آتی، بلکہ آج اگر اُس عہد کی بول چال کی کوئی کتاب ہاتھ آجائے، تو ہمکو سمجھنے مین دقت ہوگی، لیکن یہ شاعری کا بہت بڑا نقص ہے، بے شبہ شاعری اور عام تصنیف مین ایسے بہت سے مضامین و خیالات ادا کرنے پڑتے ہین جو عام زبان مین ادا نہین ہوسکتے، اسلئے اُنکے لیے علمی الفاظ وضع کرنیکی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیکن یہ ضرور نہین کہ ضرورت کے علاوہ اور اور موقعون پر بھی یہ مصنوعی زبان استعمال کیجائے خصوصاً غزل کی زبان، روزمرہ اور عام بول چال ہونی چاہیئے، کیونکہ عاشق و معشوق علمی زبان مین باتین نہین کرتے

قدما میں فرخی اور متوسطین میں سعدی اور امیر خسرو صاحب نے خاص اسکا خیال رکھا کہ روزمرہ اور عام بول چال کو زیادہ وسعت دیجائے، سعدی اور خسرو کے کلام میں جو روانی شستگی اور صفائی پائی جاتی ہے اسکا ایک بڑا گر یہی ہے

امیر صاحب کی غزلیں اکثر اُس زبان میں ہوتی ہیں کہ گویا دو آدمی آپس میں بیٹھکر بالکل بے تکلف سیدھی سادی باتیں کر رہے ہیں، انمیں کہیں کہیں خاص خاص محاورے بھی آجاتے ہیں جو آج ہمکو اس لئے کسیقدر نامانوس معلوم ہوتے ہیں کہ ہم کو اس زمانہ کے روزمرہ کے محاورات سے واقفیت نہیں

دل بسے بُردہ، نکو بشناس، — آن کہ مجروح تر از ان من است

یعنی تم نے بہت سے دل لئے ہیں، خوب غور کرکے دیکھو جو بہت زخمی ہوا وہی میرا دل ہے،

صبح روئے تو بدینسان بر آمد امروز — نیست امکان کہ چو من سوختہ تا شام کشد[1]

لب دہان و رخت ہر یکے بلائے دل اند — یکے دلم چہ کند، جانب کدام شود ؟

یعنی تیرا لب دہن، اور چہرہ، سب بلا ہیں، میرا دل کیا کرے کدہر کدہر جائے،

گفتم اے دل مرو آنجا کہ گرفتار شوی — عاقبت رفت ہمان گفتۂ من پیش آمد

خلقے براہ منتظر جان سپردن اند — ای ترک نیم مست عنان را کشیدہ تر
ذرا باگ کو روکے ہوئے

بوسہ گفت و زبان گرداند — خود ہمے گوید و مے گرداند ؟

بوسہ دینے کو کہا، اور پلٹ گیا آپ ہی کہتا ہے اور آپ ہی پلٹ جاتا ہے،

بوئے خوشم آید از تو در جیب — گل داری، یا ہمین است بویت

تیرے بدن سے خوشبو آرہی ہے — تیری جیب میں پھول ہے یا یہ تیری بو ہے

خشک سالی است درین عہد وفا از ای شک — زان حوالی کہ تو می آئی باران چون است

اے گل، [illegible] — گل با توئی ماند در حسن [illegible]

[illegible] — بسم اللہ اگر [illegible]

[illegible] خویش را [illegible] جانی ان باشد — کز گل از خندہ بر خاک دفن غنچہ شکم گیرد

[1] تا شام کشید یعنی شام تک زندہ رہ جائے۔ [2] یعنی وہی میرا کہا سامنے آیا ۱۲۔

یعنی سبزہ جب تیرے خط کی برابری کرے تو یہ زیبا ہے کہ پھول ہنستے ہنستے زمین پہ لوٹ جاوے اور غنچہ کے پیٹ میں بل پڑ جائیں،

دلم می خواستی بہر تماشا کہ بستان دیدی — مرا می خواستی رسوا بحمد اللہ کہ آن ہم شد

اے صبا دی کہ فغانے بچمن سے می خورد — ہیچ یاد من گم گشتہ زندانی کرد،

از کجا آمدی اے باد کہ دیوانہ شدم — بوئی گل نیست کہ می آید این بوی کسی است

دل من دور شد رفتہ است نکوئی دانم — باز جوئید ہمین جانے کہ در کوی کسی است

سنتہ می شوم قبلہ رو بیت چہ کنم — کہ ز ابروے تو چشم بہ محراب افتادہ

تیرا چہرہ دیکھکر مجکو قبلہ میں ہوکا سا ہوتا ہے — کیونکہ مجکو تیری ابرو ہی دو محراب میں نظر آتی ہیں

زہے تجلی رانمود و مرا گفت تو ببین — زین ذوق مست و بیخودم کہ سخن چہ بود

سب کو جلوہ دکہلایا اور مجھہ کہا کہ تو دیکھ — میں اس مزہ میں مدہوش ہوں کہ یہ کیا بات کہدی

ساکنان مصر کوئے تو نباشند بہ ہوش — کان زنجیر است کہ آنجا ہمہ مجنون خیزد

ز چشم مست کاروان صبر من تاراج کافر شد — مسلمانان کسے دیدست کاندر شہر راہ افتد

مسلمانو کسی نے شہر میں بھی ڈاکہ پڑتے دیکھا ہے

بہ بازی سوے من آمد بہ شوخی دل ز من بستد — بپرسیدم چہ خواہی کرد گفتا کہ است آید

سالم محاورہ بکار می آید سے کارے آید اسی صاحب کا ہوا اور کسی کے کلام میں نظر سے نہیں گزرا،

حسن تو خاک گرا سوختہ — ہم ورا تازہ اوان دانستہ

نرخ کردی به بوسه جانی؟ — بنده بخرید و رایگان دانست
تونے ایک بوسہ کی قیمت جان قرار دی — مین نے خریدا اور یہ سمجھا کہ مفت لیا

از بہر آن که لاف جمال تو میزند — صد بار لاله بر دہن یاسمین زده است
ما جان فدای خنجر تسلیم کرده ایم — خواہی بہ بخش و خواه بکش رای رای تست

ساقی بیار می که چنان سوخت دل عشق — کز سوز این کباب ہمہ خانہ بو گرفت
راست کردی ز ابروان محراب — می نماید نماز خواہی کرد؟
ابروؤن سے تونے محراب درست کی ہے — معلوم ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے کا ارادہ ہے

من آن ترک طناز را می شناسم — من آن مایۂ ناز را می شناسم
شبم تازه شد جان به دشنام مستی — تو بودی من آواز را می شناسم
باد صبا چو از رخ او زلف در ربود — ابر کشاده شده و آفتاب کرد
تو جان من هم از بدی زیر و بر — که من به روی تو پیدا همی توانم کرد
سالها شد که نیا مدم خبری در کوی تو — دل ویران شده ز آیم و آواز کنم
من از سر زنده کردم اگر تو یار ایک سخن گوئی — تو می دانم نگوئی، لیک من گفتاری گویم
مجھکو معلوم ہے کہ تم نہ کہوگے لیکن مین بات کہتا ہون

دعوی خون بہای دل خویش می کنم — یک بوسه به بیم زن و بالا کلام کن

امیر صاحب نے ایسے بھی بہت سے محاورے باندھے ہین جو اُن کے سوا کسی اور اہل زبان کے کلام مین نہین ملتے۔ مثلاً

از گره او چه میبرد،
آواز کردن، پکارنا،
گفتاری گویم، یون ہی ایک بات کہتا ہون،
لا کلام کردن، کسی کو ساکت اور بند کرنا!

— ۹ پیدا کردن ظاہر کرنا ۱۲ —

اس بات نے بدگمانوں کو موقع دیا ہے کہ یہ ہندوستان کی سکونت کا اثر ہے کہ ہندی محاورے اُن کی زبان سے نکل جاتے ہیں، ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ لیکن چونکہ ہم کو اپنے تتبع اور استقراء پر اعتماد نہیں، اس لئے ہم اس بدگمانی میں شریک نہیں ہو سکتے۔

تسلسل مضامین غزل کا یہ بڑا عیب تھا کہ کسی مسلسل خیال کو ادا نہیں کرتے تھے، قصائد کا موضوع مدح ہے، مثنویاں، قصے یا اخلاق کے لئے مخصوص ہیں، قطعات میں بھی اور اور باتیں ہوتی ہیں، عشق اور محبت کے معاملات میں تفصیلی حالات بیان کرنے ہوں تو کیونکر کریں، اس لئے صرف مسلسل غزل کام دے سکتی ہے۔ لیکن قدما بلکہ متاخرین میں بھی اس کا بہت کم رواج ہوا، امیر صاحب نے البتہ اکثر مسلسل غزلیں لکھی ہیں، اور خاص خاص کیفیتوں کا نقشہ اس خوبی سے کھینچا ہے کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

مثلاً عاشق، قاصد یا اپنے رازدار سے معشوق کا حال پوچھتا ہے کہ کہاں ہے؟ اور کن لوگوں کے ساتھ ہے؟ کیا کرتا ہے؟ میرا بھی کچھ ذکر کرتا ہے کہ نہیں وغیرہ وغیرہ، دیکھو کس اشتیاق، کس حسرت، کس انداز سے یہ باتیں پوچھتے ہیں،

ای صبا باز بمن گوی کہ جاناں چون است | آن گل تازہ آن غنچہ خنداں چون است
با کہ می خورد آں ظالم و دور می خوردن | آں رخ پرخوی و آں زلف پریشاں چون است
چشم بدخوش کہ ہشیار نہ باشد مست است | چشم میگونش کہ دیوانہ کنداں چون است
وی و زلف بت عیار کہ آں ہر دو خوش اند | دل دیوانہ من پہلوی ایشاں چون است
روز باشد کہ دلم رفت دو دانم لطف بماند | یا رب آں یوسف گم گشتہ بزنداں چون است

پوچھتے پوچھتے دفعتہً خیال آتا ہے کہ معشوق کے ذکر میں اپنا تذکرہ خلاف عاشقی ہے، اس لیے ان سب باتوں کو چھوڑ کر محویت سے کہتا ہے۔

ہم بجان و بسر جانان کہ کم و بیش مگوئے — گو ہمیں یک سخن راست کہ جانان چون است

یعنی معشوق کی جان کی قسم ادھر ادھر کی باتیں نہ کہہ، صرف یہ بتا کہ معشوق کس حالت میں ہے معشوق نے روزہ رکھا ہے اس پر عاشق کے دل میں جو جو خیالات پیدا ہو سکتے ہیں ان کو دیکھو کس طرح ادا کیا ہے۔

ماہ من روزہ میان شکرستان دارد — ای خوش آن روزہ کہ جا در لب جانان دارد
لب مے آلودہ دہان پر شکر و نرگس مست — اے مسلمانان! کس روزہ بدینسان دارد
خضر گر پیش آید نشکند روزہ خویش — کان لب پر در نہ لب چشمہ حیوان دارد
خون من می خورد آخر نفسش پنہان نیست — من گرفتم کہ خود او روزہ پنہان دارد
جان من گر تو قدم رنجہ کنی امشب تو — قدرے آب دو چشم و دل بریان دارد

معشوق سر و سامان کے ساتھ سوار آرہا ہے، عاشق پر حیرت طاری ہوتی ہے کہ کیا آسمان سے چاند اتر آیا ہے؟ یہ خوشبو کیسی پھیل رہی ہے؟ کیا ہوا پھولوں میں بس کر آرہی ہے؟ پھر خیال آتا ہے کہ نہیں معشوق آتا ہے، لیکن ان دلفریبیوں کے ہوتے کس کا ایمان سلامت رہیگا۔ اسلامی آبادی میں یوں نہیں آنا چاہیے ان خیالات کو مسلسل ادا کرتے ہیں،

کہ می آید چنیں یا رب مگر مہ بر زمین آمد — چہ گرد است اینکہ میخیزد کہ با جان آتشین آمد
کہ می راند چنین تا رہ کہ میدان عنبر آگین شد — کہ دامن بادمی جنبد کہ بوئے یاسمین آمد
بتی وا شکست تقوی را چرا بیرون نمی آئی — کہ در شہر مسلمانان بتا با این چنین آئی

بہار آئی ہے عاشق باغ میں جاتا ہے مجلس آرائی کے سامان ساتھ ہیں قاصد کو معشوق کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجتا ہے کہ باغ میں عجیب بہار ہے، سبزہ لب جو، ابر

عالم آب کی سیر قابل دید ہے، قاصد سے یہ بھی کہہ دیا ہے۔ کہ ادھر اُدھر کی باتوں میں ٹالنا چاہے تو نہ ماننا، اور جس طرح ہو سکے ساتھ لانا، اور اگر عالم مستی میں ہو تو اسی طرح مست اُٹھا لانا، ان تمام خیالات کو تفصیل کے ساتھ ایک غزل میں ادا کیا ہے،

آمد بہار و شد چمن و لالہ زار خوش ‏ ‏ وقتے است خوش بہار که وقت بہار خوش

در باغ با ترانهٔ بلبل دریں ہوا ؟ ‏ ‏ مستی خوش است و بادہ خوش است و بہار خوش

مائیم و مطربے و شرابے و محملے ؟ ‏ ‏ جامے بزیر سایهٔ شاخ چنار خوش ؟

ای باد کاہلی مکن و سوی دوست رو ‏ ‏ ما را مکن به آمدن آں نگار خوش ؟

چیزے دگر مگوے ہمیں گو که در چمن ‏ ‏ سبزہ خوش است آب خوش و جویبار خوش

گر خوش کند ترا به حدیثے که باد گرد ‏ ‏ پیشش کن و بیار و مشو زینہار خوش

در بستیش که مست بود خفتنش مدہ ‏ ‏ ہم ہمچنانش مست بہ نزد من آر خوش

من مست خوش حریفی ادیم که آں حریف ‏ ‏ سرخوش خوش است و مست خوش و ہوشیار خوش

با او دراں زماں که نشیند راه مے دہد ‏ ‏ بازی خوش است و بوسه خوش است و کنار خوش

سرو پیادہ خوش بود اندر چمن ولیک ‏ ‏ آں سرو من پیادہ خوش است و سوار خوش

بہار میں کیا کیا چاہیئے ؟ اسکو تفصیل سے لکھتے ہیں،

ہنگام گل است بادہ باید ؟ ‏ ‏ ساقی و حریف سادہ باید

گر غنچہ گرہ در ابرو افگند ‏ ‏ پیشانی گل کشادہ باید ؟

ساقی بہ نشیند و یار بنشاں ‏ ‏ کیں شستہ و آں ستادہ باید

و انگاه حریف سادہ و مست ‏ ‏ در چنگ من اوفتادہ باید ؟

بہار کا سامان

بوستاں جلوہ در گرفت اینک ‏ ‏ گل زرہ پردہ در گرفت اینک

سطر ۱ وقتے کسے خوش بود۔ یہ دعائیہ جملہ ہے یعنی خدا اُن کو خوش و خرم رکھے ۱۲

آتشِ لالہ برفروخت ز باد — دامنِ کوہ در گرفت اینک

بلبل آمد نشست بر سرِ گل — بے نوا بود در گرفت اینک

غنچہ در پیش فاختہ ز اصول (موسیقی) — سبقے تازہ بر گرفت اینک

ورقِ غنچہ راکہ تر شدہ بود — ورقش یک دگر گرفت اینک

یعنی غنچہ کے ورق چونکہ نم تھے اس لئے چپک کر رہ گئے،

آب راگرچہ چشم ہا پاک است — بوستان را بر گرفت اینک

یعنی پانی کو پاک نظر ہے تاہم اُس نے باغ کو سینہ سے لپٹا لیا،

خار چون تیز کرد پیکان را — گل بصد تو سپر گرفت اینک

طوطی آغاز شعرِ خسرو کرد — روی گل در شکر گرفت اینک

جدت جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں امیر صاحب کا دعویٰ ہے کہ اُنہوں نے سینکڑوں نئی تشبیہیں ایجاد کیں، اور یہ دعویٰ بدیہی دعویٰ ہے، اُن کی ایک غزل بھی نہیں ملسکتی جس میں کوئی نہ کوئی جدید تشبیہ نہو، چند مثالیں ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں

راز چون آلود خویش ای دل مگو با من بر لب — کین رقیق خام است حرف از دہن پختہ خواہد گشت (شکستہ)

اے دل اپنا بھید مجھ سے نہ کہہ، کیونکہ یہ کاغذ کچا ہے اس میں حرف پھوٹ نکلیگا

زلف او پہلوے خال لب او — گوئی از شہد مگس مے راند

نہ رود مہ بر اوج در شب تار — تا ز زلف تو نردبان نہ برد

یعنی چاند اندھیری رات میں بلندی پر نہیں چڑھ سکتا، جب تک تیری زلفوں کی سیڑھیاں نہ لگالے،

(چہرہ کو چاند اور زلف کو زینہ سے تشبیہ دی ہے)

ہست صحرا چون کف دست پُر داغ لالہ جام — خوش کف دستی کہ چندین جام صہبا بر گرفت

اس مضمون کو دانش مشہدی نے عجیب لطیف پیرایہ میں بدل دیا ہے۔

دیدہ ام شاخ گلے بر خوش مے پیچم کہ کاش
می توانستم بیک دست این قدر ساغر گرفت

یعنی میں نے ایک ڈالی پھولوں سے بھری دیکھی، اور تڑپ گیا کہ کاش میں ایک ہاتھ میں اتنے ہی پیالے اٹھا سکتا"

غلام نرگس مستم کہ بامداد پگاہ
قدح بدست گرفتہ ز خواب برخیزد

گلستان نسیم سحر یافتہ است
صبا غنچہ را خفتہ در یافتہ است

چنان خواب دیدہ است نرگس بخواب
کہ گویا بکف جام زر یافتہ است

نرگس کے پھول میں جو زرد کٹوری ہوتی ہے، اُس کو جام زر سے تشبیہ دیتے ہیں اور یہ تشبیہ عام تھی، لیکن اس اسلوب بیان نے کہ نرگس نے خواب میں دیکھا کہ اس کو جام زر ہاتھ آگیا ہے ایک خاص لطف پیدا کر دیا۔ اور چونکہ نرگس کو مخمور اور خواب آلود باندھتے ہیں اس لئے خواب دیکھنے کی توجیہ واقعیت کا پہلو رکھتی ہے،

میروی و گریہ مے آید مرا
ساعتے بنشیں کہ باران بگذرد

آنسو کی جھڑی کو سب بارش سے تشبیہ دیتے آئے ہیں لیکن یہ بالکل نیا اسلوب ہے کہ معشوق سے کہتے ہیں کہ تیرے جانے کے وقت مجھکو رونا آتا ہے، اتنا ٹھہر جا کہ بارش تھم جائے مزید لطف یہ ہے کہ معشوق کا جانا ہی اس بارش کی علت ہے، اس لئے وہ جانا چاہیگا تو بارش ہوگی اور اس لئے وہ کبھی نہ جا سکے گا"

مے میان شیشۂ ساقی نگر
آتشے گویا بہ آب آلودہ اند

ابر آمد و بر ساغر لالہ شراب کرد
در گوش ہائے باغ لبِ دُرِّ ناب کرد

فرّاشِ باغ بانگ خود بہ بارش زد
وانگہ بر آب اخگر سیم از حباب کرد

نرگس کہ شب نہ خفت ز فریاد بلبلاں　　بنہاد سر بہ بالش گل ہیبل خواب کرد

مضمون آفرینی

خیال بندی اور مضمون آفرینی کا موجد کمال اسمٰعیل خیال کیا جاتا ہے لیکن کمال کی جدّت قصائد کے ساتھ مخصوص ہے، غزل میں اس نے اس رنگ کی مطلق آمیزش نہیں کی ہے، غزل میں نئے نئے مضامین اور نئے نئے اسلوب پیدا کرنے امیر صاحب کا ایجاد ہے، اور انہیں پر خاتمہ بھی ہو گیا، متاخرین کی مضمون آفرینیاں گو حد سے بڑھ گئیں، لیکن اس کا دوسرا انداز ہے، وہ اور سلسلہ کی چیز ہے، چنانچہ آگے چل کر اس کی حقیقت کھلے گی،

امیر صاحب کی مضمون آفرینیاں مختلف قسم کی ہیں، مثالوں سے اندازہ ہوگا

بہ خانۂ تو ہمہ روز بامداد بود ؟　　کہ آفتاب نیارد شدن بلند آنجا

تیرے گھر میں ہمیشہ صبح رہتی ہے　　کیونکہ وہاں آفتاب اونچا نہیں ہو سکتا

زلف تو سیہ چراست ماتا ؟　　بسیار در آفتاب گشتہ است ؟

مشتبہ مے شودم قبلہ ز رویت چہ کنم　　کہ ز ابروئے تو چشم بہ دو محراب افتاد

چشم مست تو کہ دی بر من بیتاب افتاد　　تو نیفگندی از آلودگی خواب افتاد

ز بہر آں چنیں تاریک باشد خانۂ چشمم　　کہ ہرگز آفتاب من دریں روزن نمے آید

پیش تو آفتاب نتواں جست ؟　　روز روشن چراغ نتواں کرد[1]

مے روی و گریہ مے آید مرا ؟　　ساعتے بنشیں کہ باراں بگذرد

---

[1] چراغ کردن۔ چراغ جلانا ۱۲۔

دل من بہ زلف و روییت شد اسیر چون نگردد   شب ماہتاب دزدے کہ بخانہ در آید

مے ہے عمر دراز عاشقان گرچہ؟   شب ہجران حساب عمر گیرند؟

یعنی اگر شب ہجر کو بھی شامل کر لیا جائے تو عاشقوں کی عمر کس قدر بڑی ہوتی ہے

زلف ازان می بُرد آن شوخ کہ شبہای غم   گر شود کوتہ ازان جا ہمہ پیوند کند

یعنی اپنی زلف وہ اس لئے تراشتا ہے کہ میرے غم کی راتیں چھوٹی ہو جائیں تو اُن میں جوڑ لگا کر بڑھا دے ۔

راہی است برائے بُردنِ دل   ابروئے تو کز میان کشا داست

یعنی تیرے دونوں ابروؤں کے درمیان میں جو فاصلہ ہے اس لئے ہے کہ دل لے جانے کے لئے راستہ رہے

زلفت سرو پا شکستہ زان است   کز سرو بلندت او فتادہ است

یک شب ز رخ خویش چراغم کرم کن ۹   تا قصۂ اندوہ تو ہم پیش تو خوانم ؟

یعنی کسی رات کو اپنے چہرہ کا چراغ عنایت کرو کہ میں اُس کی روشنی میں اپنا قصہ تمہارے سامنے پڑھ کر سناؤں،

خانۂ چشم من خراب شدہ است   کہ بہ بنیادِ خانہ ہا نم رفتہ است

کسے نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی   مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

شکرین لعل تو کانِ نمک است   گرچہ شکر نہ مکانِ نمک است

آب روی تو ملاحت افزود   گرچہ از آب زیانِ نمک است

خواہی ابجان بہ رو خواہ بمن باش کہ من   مردنی نیستم امروز کہ جانان اینجا است

آئینہ کرد حسن وی از آسمان سوال — برخواست آفتاب و زانو جواب کرد

یعنی اسکے حسن نے آسمان سے آئینہ مانگا ؛ آفتاب نے اوٹھکے زانو ٹیک کر کہا کہ حاضر ہے؛

سر ابروی تو گردم گرش باز کشائے — کہ کمانیست نہ بہ اندازہ بازوی کسے است

ہرچند کہ زلف تو سپاہی ست جہانگیر — زین گونہ پریشان نتوان کرد سپہ را

بہ سایہ خفتہ بدم سن کہ یار آمد و گفت — چہ خفتہ کہ رسید آفتاب در سایہ

اکثر شاعرانہ اجتماع النقیضین ثابت کرتے ہین اور وہ طبیعت پر استعجاب کا اثر پیدا کرتا ہے

ع ۔ درد یا داوی و درمانی ہنوز ، ع یاد باد آنکہ ہمہ عمر نہ کردی یادم

صنائع امیر صاحب نے اعجاز خسروی مین صنائع و بدائع پر اس قدر ہمت صرف کی کہ ہمکو بڑا ڈر تھا کہ جو جال انہون نے بچھایا اس مین خود بھی پھنس جاتے ہین لیکن یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ جن جن لوگون نے صنائع و بدائع کو فن بنایا اور اسپر مستقل کتابین لکھین مثلاً فرخی و ابن المعتز وغیرہ وہ خود اس بدعت سے محفوظ رہے ا

امیر صاحب اوروں کی بہ نسبت کسی قدر آلودہ ہین تاہم ان کے صنائع بہت بے تکلف بھی ہوتے ہین اور اس حد تک نہین پہونچتے کہ نکتہ گیری کی زد مین آئین صنعت طباق یعنی اضداد ان کی خاص مرغوب چیز ہے اور وہ اسکو بڑی خوبی سے نباہتے ہین ۔ ع

درد یا داوی و درمانی ہنوز ؛

زنہ بند وہ جہان آزاد گردم ؛ — اگر تو خویشتن بندہ باشی ؛

من بدل نیستی نہ کشتی بہ غمزہ — کردم کہ قبول الہی نہ بندہ باشی ؛

گفتیم ناخوش چیست ای خسروا! چون کنم؟ آن شکل و آن ناخوش است

بندہ را در علم تو نیست خبر؟ ہمہ یاران بندہ را نجبا است

خرد سالے بہ من کند پیدا اے بزرگان شہر داد دہید

عربیت — اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امیر صاحب کو عربی علم ادب میں کمال تھا۔ اور اس فن کی نادر کتابیں ان کے حافظہ میں مخزون تھیں تاہم ان کو اس فن میں دعویٰ نہیں ہے۔ غرۃ الکمال کے دیباچہ میں عربی کے چند اشعار لکھے ہیں جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ باوجود اعتراف عجز کے ان کو اس زبان پر کس قدر قدرت ہے اشعار یہ ہیں،

ذاب الفؤاد وسال من عینی الدم وحکی الدموع کل ما انا اکتم

دل پگھل گیا، اور آنکھ سے خون بہا اور آنسوؤں نے وہ سب کہدیا جو میں چھپاتا تھا

واذا شکوت لدی الوری کرب النوی بکی الاحبة والاعادی ترحم

اور جب میں لوگوں کے سامنے فراق کی تکلیف بیان کرتا ہوں تو دوست روتے ہیں اور دشمنوں کو رحم آتا ہے

یا عاذل العشاق دعنی باکیا ان السکون علی المحب محرم

او ناصح! تو مجھے رونے دے، چپ رہنا عاشق پر حرام ہے

من بات مثلی فھو یدری حیلتی طول اللیالی کیف بات متیم

جو شخص میری طرح رات گذارے وہ البتہ جانتا ہے کہ عاشق کی رات کس طرح گذرتی ہے

اعجاز خسروی میں عربی زبان میں خطوط لکھے ہیں جن سے اُن کی عربیت کا اندازہ ہو سکتا ہے اگرچہ ان میں قافیہ بندی اور تکلفات ہیں۔ لیکن یہ اُس زمانہ کا عام انداز تھا اس لئے ان پر الزام نہیں آ سکتا۔

دان انا الامن غزیة ان غوت غویت وان ترشد غزیة ارشد

میں بہرحال قبیلہ غزیہ کا آدمی ہون، غزیہ گمراہ ہے تو مین بھی گمراہ ہون، اور وہ ٹھیک راستہ پر ہے تو مین بھی ہون۔

صنائع وبدائع امیر صاحب نے صنائع اور بدائع مین جو زور آوریان صرف کین اگرچہ کوہ کندن اور کاہ برآوردن ہین، لیکن اس لحاظ سے کہ اُنکی محنت بالکل رائگان نہ جانے پائے، اُن کا اجمالی تذکرہ کرنا ضرور ہے

ان مین بہت سی صنعتین وہ ہین جو عربی مین موجود تھین لیکن فارسی مین اُن کا ادا کرنا اس لئے مشکل تھا کہ فارسی زبان کی کم وسعتی اس کی متحمل نہین ہوسکتی، مثلاً صنعت منقوطہ یعنی عبارت مین ایسے الفاظ لانا جن کا ایک ایک حرف نقطہ دار ہو، امیر صاحب نے اس قسم کی صنائع مین صفحے کے صفحے لکھے ہین، بعض فارسی مین تھین لیکن ایک آدھ سطر سے زیادہ کوئی شخص لکھ نہ سکا، امیر صاحب نے ورق کے ورق لکھے، بعض صنائع مین انہون نے تصرفات کئے، اور بعض بالکل خاص ان کے ایجاد ہین، چنانچہ ہم اُنکو مختصر طور پر لکھتے ہین

دوُرو یعنی ایسی عبارت لکھنی کہ نقطون کے رد و بدل سے دو مختلف زبانون مین پڑھی جاسکے اور بامعنی ہو امیر صاحب نے اس صنعت مین کئی صفحے لکھے ہین لیکن کاتبون کی غلط نویسی سے اُنکا صحیح پڑھنا ناممکن ہے، اسلئے صرف ایک آدھ سطر پر اکتفا کرتا ہون،

رسیدی ہدیدی مرا دی بخانے زمانے بیاشی بہ یاری نشانی

اس شعر کو اگر فارسی مین پڑھین تو اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔

کل تو آیا اور تو نے مجکو ایک مکان مین دیکھا، ایک ذرا ٹھہر جا تو دوستی کرنے کے قابل ہے، لیکن اگر اسی کو عربی مین پڑہین تو یون پڑھ سکتے ہین۔

ترہیبی فدیہ لی، مرادی نجاتی رضائی بیا ہین ہناری نسائی

تو میرا اہیت یا فتہ ہی بے نظیر ہے امیری مراد ہے، میری نجات ہی، مجکو اس بات نے ناامید کیا کہ میری عورتین باہم لڑتی ہین،

قلب اللسانین بہت اشعار لکھے ہین کہ فارسی مین ہین، لیکن اگر ان کو الٹ کر پڑہین تو عربی عبارت بن جائے، مثلاً

لبسی با کامرانی ورجہان باش،

می باش بہ کار شادمانی،

باہی یار ماکہ کار مے کنیم بہم،

دوست ما بار منی بہ یاری ما آئی،

بکن داود بکشور کامران باش،

ان تمام مصرعون کو الٹ کر پڑہین تو عربی عبارت بن جاتی ہے۔

وصل الحرفین یہ وہ صنعت ہے کہ جس قدر الفاظ عبارت مین آئین، ان مین کہین کوئی حرف الگ نہ آئے، بلکہ دو دو، یا تین تین حرف کا لفظ ہو، مثلاً

چاکر خاصہ، حاجی شرفانی، سر خدمت، بر پا یست می مالد، دمی گوید کہ بدین جانب خاطر ما با فرحت قرین می باشد باید کہ گہ گہ جانب ما نامہ فرماید تا ما ہر خوشی کہ برماست فرخی کامل باید۔

یہ اس صنعت کا نقیض ہے، جس کا ہر لفظ الگ الگ حرفون مین لکھا جاتا ہے مثلاً

دید، دو دید، داد، آورد، ما ور دو داو، ما داری درد اری، دو دار، ذات،

داور دوران را ۱ الخ ۱

امیر صاحب نے اس صنعت پر کئی صفحے کی عبارت لکھی ہے ۱

اربعۃ الاحرف ۱ اس صنعت پر امیر صاحب کو بہت ناز ہے کئی کئی سطر کی بامعنی عبارت لکھی ہے ۱ اور یہ التزام کیا ہے کہ صرف چار حرف یعنی الف ۱ ہ ۱ واو ۱ کے سوا ۱ اور کوئی حرف نہ آنے پائے یعنی تمام الفاظ صرف انہی حرفوں سے بنے ہیں لیکن جو عبارت لکھی ہے ۱ وہ بالکل سہل معلوم ہوتی ہے اور اُس کا پڑھنا سخت مشکل ہے۔

معجزۃ الالسنۃ والشفا ۱ اس صنعت پر اور بھی ان کو ناز ہے اس میں ایسے الفاظ جمع کئے ہیں کہ سطروں کی سطریں پڑھتے جاؤ ۱ لیکن کہیں ہونٹوں کو جنبش نہیں ہوگی ۱ صرف حلق سے تمام الفاظ نکلیں گے ۱

ترجمۃ اللفظ ۱ یہ صنعت بھی خاص ان کی ایجاد ہے ۱ اس میں یہ التزام ہے کہ جو لفظ آتا ہے ۱ اُس کے بعد کا لفظ ۱ دوسری زبان کے لحاظ سے پہلے لفظ کا ترجمہ ہو جاتا ہے ۱ مثلاً

سوادی رُخ تو کُشت مارا ۱

یہ فارسی مصرع ہے۔ لیکن کشت کا اگر اردو میں ترجمہ کریں تو "مارا" ہوگا اس لئے مصرع کا اخیر لفظ ۱ پہلے لفظ کا ترجمہ بھی ہے ۱ امیر صاحب نے اس صنعت میں پورے صفحہ کی عبارت لکھی ہے

محتمل المعانی ۱ ایک شعر میں ایک لفظ لائے ہیں کہ اس کے سات معنی ہیں ۱ اور سب معنی وہاں مراد لیے جا سکتے ہیں

موقوف الآخر ۱ ایک رباعی لکھی ہے جس کا ہر قافیہ ۱ دوسرے مصرعہ کی آغاز کا محتاج رہتا ہے ۱

در حسن ترا کسے نماند اَلّا ۔ خورشید کہ ہر صبح بروں آید تا
خدمت کند و پائے تو بوسد ، امّا ۔ بینی تو بسوی او ، چو پا بوسد تا

اِنہی صنعتوں اور بچا کا وشوں مین کئی جلدین لکہہ ڈالی ہین اگر کسی صاحب کو امید صاحب زیادہ مغز کاوی مقصود ہو تو اعجاز خسروی موجود ہے مطالعہ فرمائیں ۔

دیگر تصانیف مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ

سیرۃ النعمان

یعنی

امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری حصہ اول و دوم مولفہ شمس العلما حضرت مولانا شبلی نعمانی مرحوم و مغفور

اس کتاب کے پہلے حصہ میں امام ابو حنیفہ کا نام و نسب ولادت و سن رشد تعلیم و تربیت شیوخ حدیث درس افتا بقیہ زندگی اور دربار کے تعلقات۔ وفات عام اخلاق و عادات مناظرات و فتاوی۔ ذہانت۔ طباعی۔ اس قسم کے حالات نہایت تفصیل سے مذکور ہیں دوسرے حصہ میں اصول و مسائل سے جو علم کلام اور فن حدیث سے متعلق ہیں تفصیلی بحث ہے۔ اور واقعات و اسانید کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ فن حدیث میں ان کا کیا پایہ تھا۔ فن فقہ پر تفصیلی ریویو ہے جسمیں تدوین فقہ کے تاریخی حالات کے ساتھ وہ تمام خصوصیتیں تفصیلاً بیان کی گئی ہیں جنکی وجہ سے فقہ حنفی کو دیگر ائمہ کے فقہوں پر ترجیح حاصل ہے۔ خاتمہ میں امام صاحب کے نامور اور ممتاز شاگردوں کے مختصر حالات ہیں یہ کتاب کئی بار چھپ چکی ہے۔ اس مرتبہ سب سے پہلے ایڈیشن سے نقل کرا کے نہایت صحت کے ساتھ شاہجہانی پریس دہلی میں طبع ہوئی ہے۔ لکھائی نہایت واضح چھپائی بہت صاف کاغذ سفید اور دبیز قیمت ڈیڑھ روپیہ عمر علاوہ محصولڈاک عاریتی قیمت عہ

المامون۔ یعنی نامور فرمانروایان اسلام کا پہلا اور دوسرا حصہ مولفہ شمس العلما حضرت مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں تمہید۔ ترتیب خلافت۔ مامون رشید کی ولادت تعلیم و تربیت۔ ولیعہدی۔ تخت نشینی خانہ جنگیاں۔ فتوحات ملکی اور وفات کے حالات ہیں

مہتمم۔ نذیر حسین و شریف حسین مالک شاہجہانی پریس محلہ کٹرہ صبا زیر جامع مسجد دہلی

دوسرے حصہ میں اُن مراتب کی تفصیل ہے جن سے اس عہد کے ملکی حالات اور مامون رشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہوسکتا ہے نیز اُن تمام کارناموں کی تفصیل ہے جنکی وجہ سے مامون رشید کا عہد عموماً شاہان اسلام کے عہد سے علمی حیثیت میں ممتاز تسلیم کیا گیا ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ عہ علاوہ محصولڈاک عایتی قیمت عہ

سفرنامہ روم و مصر و شام - مولفہ شمس العلما حضرت مولانا شبلی نعمانی رح

جس میں علاوہ اُن جزئی دلچسپ واقعات کے جو سلسلہ بیان میں آگئے ہیں قسطنطنیہ بیروت قاہرہ بیت المقدس و غیرہ کے متعلق واقعات ذیل یعنی شہر کی عام اجمالی حالت قابل دید مقامات مشہور عمارت سررشتہ تعلیم - دار العلوم اور مدارس بورڈنگ اور طلبا کی تربیت تعلیم نسواں مصنفین اور تصنیفات کتب خانے - اخبارات اور رسالے مشہور پاشاؤں اور ارباب کمال کی ملاقات ترکوں اور عربوں کے اخلاق و عادات کو بالتفصیل لکھا ہے آخر میں اُن الفاظ مولدہ کی مختصر سی فرہنگ ہے جو آج کل مصر و شام میں مستعمل ہوگئے ہیں اور جنکے نہ جاننے کی وجہ سے لوگ عربی اخبارات سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے قیمت ڈیڑھ روپیہ عہ علاوہ محصولڈاک - رعایتی قیمت عہ

اورنگ زیب پر ایک نظر مولانا شبلی رح نے مخالفین عالمگیر کے اعتراضات کو نہایت تحقیق و استدلال سے غلط ثابت کرکے اس جلیل القدر بادشاہ کے محامد اور اوصاف ظاہر کئے ہیں قابل دید ہے۔ قیمت ۸ر علاوہ محصولڈاک رعایتی قیمت ۶ر

مجموعہ کلام شبلی - اس کتاب میں مولانا کی وہ تمام نظمیں موجود ہیں جو انہوں نے مختلف جلسوں میں پڑھی ہیں۔ اکثر نظموں میں سیاسی چاشنی بھی ہے آخر میں مولانا مرحوم کے مختصر حالات مولوی [illegible] صاحب [illegible] مولف فرہنگ آصفیہ اور مولوی [illegible] صاحب شرر لکھنوی [illegible] علاوہ محصولڈاک عایتی قیمت ۹ر

[illegible]

[illegible]